www.paksociety.com

تعلیم و تربیت

جولائی 2012

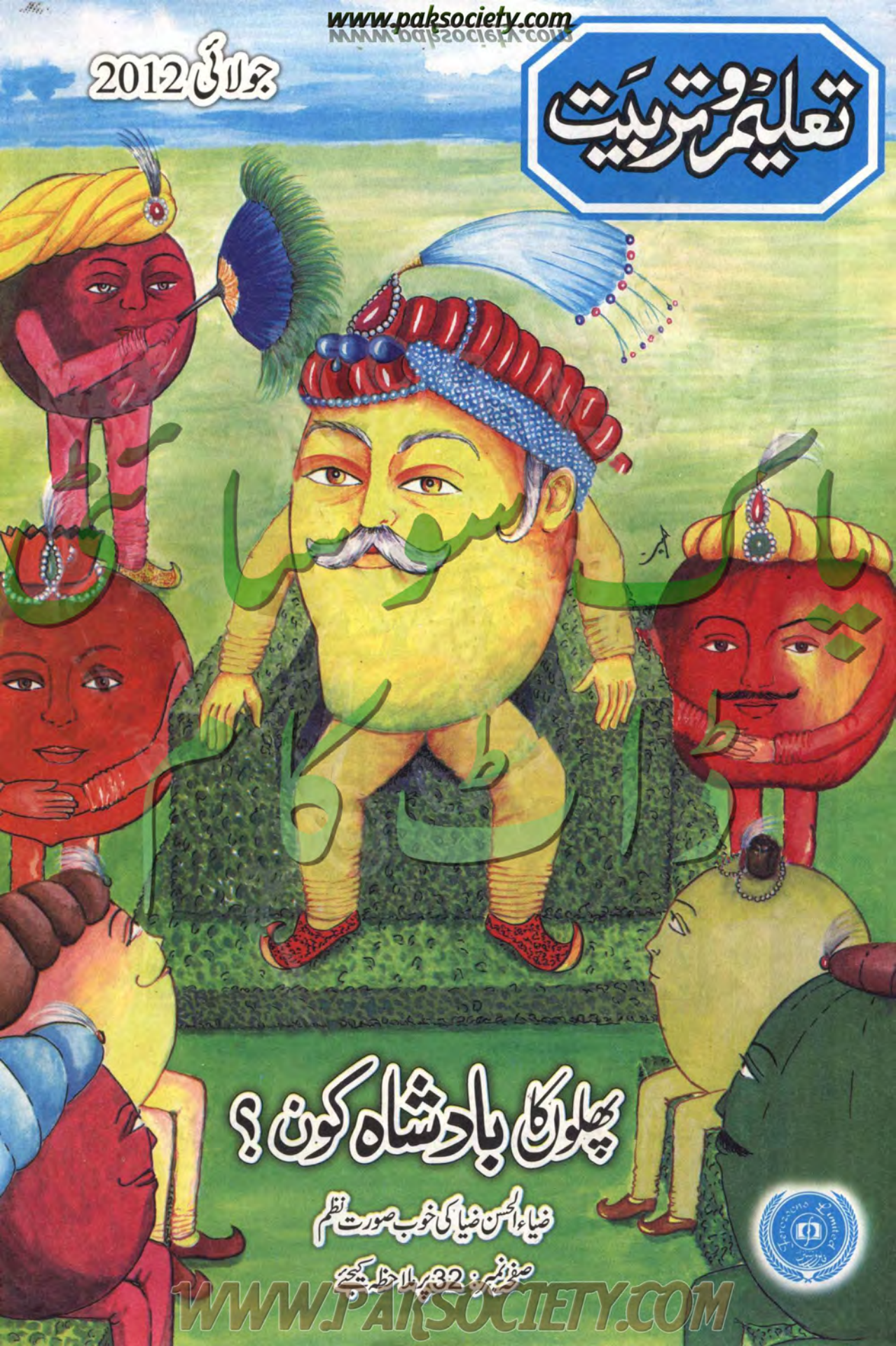

پھلوں کا بادشاہ کون؟

ضیاء الحسن ضیا کی خوب صورت نظم

صفحہ نمبر: 32 پر ملاحظہ کیجیے

WWW.PAKSOCIETY.COM

معروف مصنف ڈاکٹر عبدالرؤف کی بچوں کے لیے ایک شاہکار تصنیف

عظیم سفر نامہ

عہدِ نبوی ﷺ کی دل چسپ کہانیاں

پیغمبرِ عظم ﷺ کے تاریخی سفر

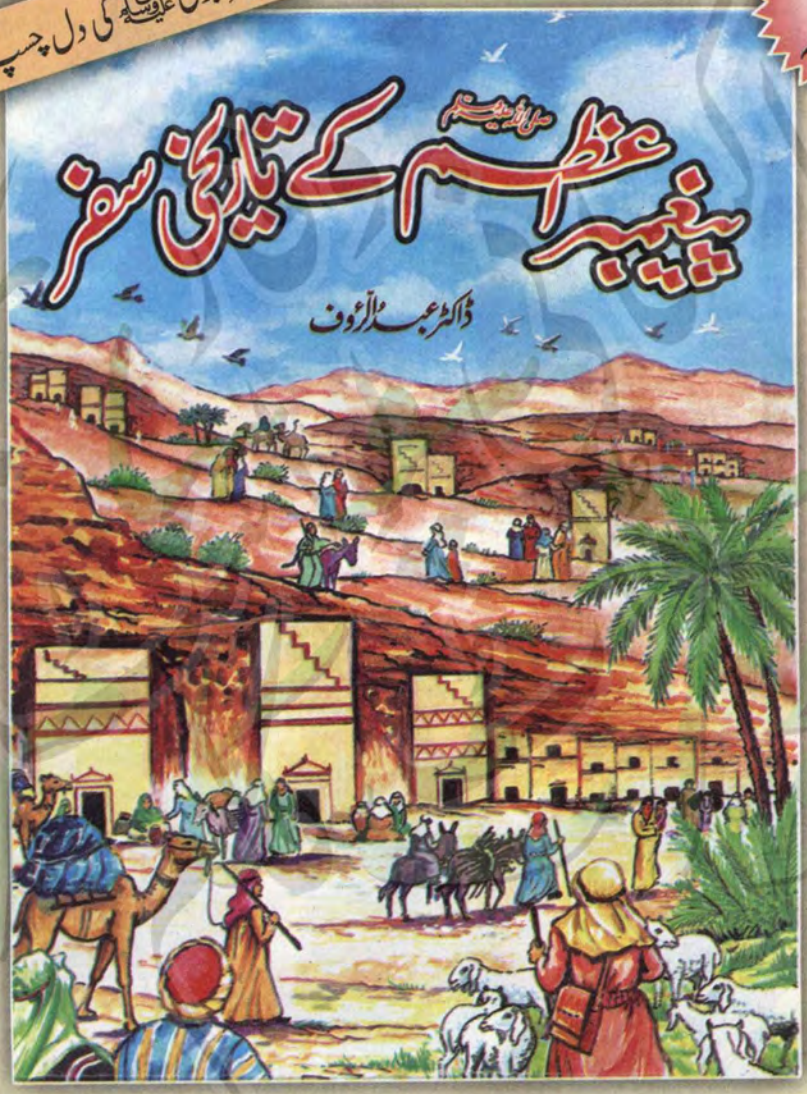

- حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے تمام سفروں کے دل چسپ واقعات
- رنگین تصویروں سے آراستہ بچوں کے لیے ایک بہترین کتاب

فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی

WWW.PAKSOCIETY.COM

پاکستان میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا | 72واں سال تیسرا شمارہ | رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

جولائی 2012ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

''فیروز سنز'' کا شمار پاکستان کے قدیمی اشاعتی اداروں میں ہوتا ہے۔ اِس ادارے کی بنیاد مولوی فیروزالدین نے 1894ء میں رکھی تھی۔ یہ اشاعتی ادارہ 118 سال سے فروغِ کتب کے لیے کوشاں ہے۔ اِس ادارے کی مطبوعات کو نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دُنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ فیروز سنز کی علمی و ادبی خدمات ہماری قومی تاریخ کا ایک سنہری باب ہے۔ یہ ادارہ کتاب سے محبت کرنے والوں کے لیے روشنی کے ایک مینار کی حیثیت رکھتا ہے۔ بچوں کا محبوب اور مقبول ترین رسالہ ''تعلیم و تربیت'' بھی اِسی ادارے کے زیرِاہتمام شائع ہوتا ہے۔ 72 سال سے مسلسل شائع ہونے والا یہ معیاری رسالہ وطنِ عزیز کے بچوں کے لیے کسی تحفے سے کم نہیں۔

ہم انتہائی افسوس کے ساتھ آپ کو اطلاع دے رہے ہیں کہ لاہور میں مال روڈ (شاہراہِ قائداعظم) پر واقع فیروز سنز کے سب سے بڑے شوروم میں 30 مئی کو دوپہر کے وقت اچانک ہول ناک آگ بھڑک اٹھی تھی، جس نے کچھ ہی دیر میں پوری عمارت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ آگ اس قدر شدید تھی کہ کوشش کے باوجود اس پر قابو نہ پایا جا سکا۔ آگ لگنے سے 8 لاکھ کتب جل کر راکھ کا ڈھیر بن گئیں اور عمارت کو بھی شدید نقصان پہنچا۔ اس آتش زدگی سے شوروم مکمل طور پر تباہ ہو گیا ہے۔ ابھی تک آگ لگنے کی وجوہات کا علم نہیں ہو سکا، یہی خیال کیا جا رہا ہے کہ یہ کسی تخریبی کارروائی کا نتیجہ ہے۔ جن احباب نے ہم سے رابطہ کر کے اس سانحے پر افسوس کا اظہار کیا، ہم اُن کے شکرگزار ہیں۔ آپ سے التماس ہے کہ دُعا کیجیے کہ شوروم کی جلد از جلد بحالی ہو جائے تاکہ علم و آگاہی کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو سکے۔

جولائی کے تیسرے ہفتہ سے رحمتوں اور برکتوں والے مہینے رمضان المبارک کا آغاز ہوگا۔ اس ماہِ مقدس کے تقدس کا خیال رکھیں اور اس کی بابرکت ساعتوں سے زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہونے کی کوشش کریں۔

اب اس ماہ کا رسالہ پڑھیے اور اپنی آراء و تجاویز سے آگاہ کیجیے۔

خوش رہیں، شاد رہیں اور آباد رہیں۔

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	1
درسِ قرآن و حدیث	محمد طیب الیاس	2
سر جھک گیا	علی اکمل تصور	3
گمان سے گناہ تک	رابعہ ثناء	6
واقعات مادرِ ملت	رانا محمد شاہد	11
کھوج لگائیے	ننھے کھوجی	13
پانچ ہزار کا نوٹ	غلام محی الدین	14
آیئے عہد کریں	ادارہ	18
مبارک سلسلہ	ڈاکٹر زاہدہ پروین	19
کھیل اور کھلاڑی	محمد علی اظہر	22
اوجھل خاکے	ادارہ	24
چچا تیز گام۔۔۔	محمد فہیم عالم	25
بچوں کا انسائیکلوپیڈیا	ڈاکٹر طارق ریاض	29
پھلوں کا بادشاہ کون؟	ضیاء الحسن ضیا	32
میری زندگی کے مقاصد	پُرعزم قارئین	36
مہربان	خلیل جبار	37
سنہرے لوگ	غلام حسین میمن	40
پیار	مجیب ظفر انوار حمیدی	43
آپ بھی لکھیے	ہونہار ادیب	47
لاٹری	محمد فاروق دانش	51
داؤدی علمی آزمائش	ذہین قارئین	54
آپ کا خط ملا	ننھے قارئین	55
انوکھی دُنیا	ظفر حسنین	57
یہی ہے پھولوں۔۔۔	نذیر انبالوی	60
ہونہار مصور	ننھے مصور	64

اور بہت سے دل چسپ تراشے اور سلسلے

سرورق: پھلوں کا بادشاہ کون؟

چیف ایڈیٹر: عبدالسلام | ایڈیٹر، پبلشر: ظہیر سلام | اسسٹنٹ ایڈیٹر: نذیر انبالوی | مشیر: سعید لخت | سرکولیشن اسسٹنٹ: محمد بشیر راہی

سالانہ خریدار بننے کے لیے سال بھر کے شماروں کی قیمت پیشگی بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں سرکولیشن منیجر: ماہنامہ ''تعلیم و تربیت'' 32۔ ایمپریس روڈ، لاہور کے پتے پر ارسال فرمائیں۔
فون: 36361310-36361309 فیکس: 36278816

پرنٹر: ظہیر سلام
مطبوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور۔
سرکولیشن اور اکاؤنٹس: 60 شاہراہ قائداعظم، لاہور۔

ماہنامہ تعلیم و تربیت 32۔ ایمپریس روڈ، لاہور۔
042-111 62 62 62 Fax: 042-6278816
E-mail:tot.tarbiatfs@gmail.com
tot tarbiatfs@live com

پاکستان میں (بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک)= 500 روپے۔
مشرقِ وسطیٰ (ہوائی ڈاک سے)= 1500 روپے۔
ایشیاء، افریکا، یورپ (ہوائی ڈاک سے)= 1500 روپے۔
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا مشرق بعید (ہوائی ڈاک سے) = 1500 روپے۔

قیمت فی پرچہ: 25 روپے

WWW.PAKSOCIETY.COM

پیارے بچو!

رمضان المبارک کا مہینہ بہت برکتوں اور رحمتوں والا مہینہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں بارش کی طرح نازل ہوتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے۔

''جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔'' (بخاری شریف)

رمضان کا پہلا عشرہ (دس دن) رحمت، دُوسرا عشرہ مغفرت اور تیسرا عشرہ جہنم سے آزادی کا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے۔

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔'' (البقرہ:183)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے روزے کے بارے میں گزشتہ امتوں کا حوالہ دیا کہ روزے ان پر بھی فرض تھے۔ اس سے روزے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

رمضان کے مہینے میں قرآن بھی نازل ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔'' (البقرہ:185)

رمضان المبارک میں راتوں کا قیام بھی مقرر کیا گیا، جس کو ''تراویح'' کہتے ہیں، جس کے متعلق نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''جس شخص نے ایمان کی حالت اور ثواب کی نیت سے رات کو تراویح پڑھیں اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔'' (بخاری شریف)

ماہِ رمضان میں شبِ قدر بھی ہے جس کے متعلق اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

''شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس میں فرشتے اور روح القدس اپنے رب کے حکم سے ہر امر کو لے کر اترتے ہیں، یہ رات سراپا سلامتی ہے۔'' (القدر:3-5)

شبِ قدر رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے ایک رات ہوتی ہے۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

''تم شبِ قدر کو رمضان کے آخری دس دنوں کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔'' (بخاری شریف)

رمضان المبارک کا مہینہ نیکیوں کا موسمِ بہار ہے، جس میں ایک فرض ستر فرضوں اور ایک نفل ایک فرض کے برابر ثواب رکھتا ہے، اس مہینے میں رحمتِ خداوندی اپنے بندوں پر خوب برستی ہے، بخشش عام ہوتی ہے اور جہنم سے آزادی کے پروانے ملتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ گندی باتیں نہ کرے، شور نہ مچائے، اگر کوئی اُسے گالیاں دینے لگے یا لڑائی کرنے لگے (تو یہ اس کا جواب نہ دے) بلکہ یوں کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں، گالی گلوچ کرنا یا لڑائی کرنا میرا کام نہیں۔'' (بخاری شریف)

جو انسان روزہ رکھ کر جھوٹ بولے، بُرے کام کرے، اپنے ہاتھ سے کسی کو اذیت دے اور خود کو گناہ سے نہ بچائے تو اُسے روزہ رکھ کر کچھ بھی نہیں ملے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کتنے ہی روزے دار ایسے ہیں کہ روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا اُن کو کچھ نہیں ملتا۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں رمضان المبارک کی بابرکت ساعتوں سے فیض یاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

WWW.PAKSOCIETY.COM

علی اکمل تصور

سر جھک گیا

چھٹی کا دن جہاں کچھ لوگوں کے لیے خوشی اور راحت کا سامان لے کر آتا ہے وہاں کچھ لوگوں کے لیے یہ دن مصیبت کا باعث بھی بن جاتا ہے۔ وارث اُن لوگوں میں سے ایک تھا جو روزانہ کنواں کھودتے ہیں اور پانی پیتے ہیں۔ آج کا دن اس کے لیے اور اس کے گھر والوں کے لیے اچھا نہیں تھا۔ اُس کی امی صبح سے اُسے کام پر جانے کے لیے کہہ رہی تھی، لیکن ہر ہفتے چھٹی والے دن روزی کی تلاش میں مایوسی اور ناکامی کے تجربے کی وجہ سے اُس کی ہمت ٹوٹ ٹوٹ جاتی تھی۔ وہ اُس بات کا منتظر تھا جو اُس کی امی ہر ہفتے اصرار کر کے تھک جانے کے بعد اُس سے کہتی تھی اور پھر امی نے انتہائی رنجیدہ لہجے میں وہ بات کہہ ڈالی۔

''وارث بیٹا! کچھ کما کر لاؤ گے تو گھر میں کھانا بنے گا ورنہ سب کو بھوکے پیٹ سونا پڑے گا۔'' وارث تڑپ کر سیدھا ہو گیا۔ امی مسکرائی اور وارث صحن کی طرف بڑھا۔ یہاں اُس کا رکشہ کھڑا تھا۔ اُس نے رکشہ سٹارٹ کیا اور اڈے کی طرف چل پڑا۔ وارث کا گاؤں شہر سے تقریباً دس کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ عام دنوں میں تمام رکشہ والوں کو اچھی خاصی سواریاں مل جاتی تھیں۔ گاؤں کے بہت سے بچے شہر کے اچھے سکولوں میں تعلیم حاصل کرنے جاتے تھے۔ ملازمت پیشہ افراد بھی اپنے اپنے دفاتر جاتے تھے۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد شہر میں خرید و فروخت کے لیے جاتی تھی۔ اب یہ سیدھی سی بات ہے کہ جو جاتا ہے اُسے واپس بھی لوٹنا ہوتا ہے۔ یوں تمام رکشہ ڈرائیوروں کی روزی کا انتظام ہو جاتا تھا، لیکن چھٹی والے دن تمام نظام معطل ہو کر رہ جاتا تھا۔

اپنی امی کے اصرار پر وارث اڈے میں تو آ گیا تھا، لیکن اسے سواری ملنے کی اُمید کم ہی تھی۔ اس سے پہلے چھ رکشے والے اپنی اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ اگر سواریاں آتیں تو وارث کا نمبر ساتواں ہوتا۔ رکشہ والوں کا یہ اڈا چوراہے پر واقع تھا۔ ایک سڑک شہر کی طرف جاتی تھی۔ اور تین راستے گاؤں سے نکلتے تھے۔ وارث نے اپنا نمبر لگوایا اور گاؤں کی طرف جانے والے ایک راستے پر رکشہ دوڑا دیا۔ یہ ترکیب بہت سے رکشہ والے آزماتے تھے۔ سواریوں کو راستے میں ہی بیٹھا لینا ان کا انتظار کرنے سے بہتر تھا، لیکن اب سفر کرنے والے بھی سمجھ دار ہو چکے تھے۔ وہ اڈے میں آ کر جس رکشے کا نمبر پہلا ہوتا اُس پر سوار ہونا پسند کرتے تھے۔ وارث کو کسی ایسی سواری کی تلاش تھی جسے شہر جانے کی جلدی ہو۔ اور وہ سواریوں کے ساتھ جانے کی بجائے اکیلے ہی شہر جانا چاہتا ہو۔ وہ گاؤں کے آخری کونے پر پہنچا تو اُس کی آنکھوں میں اُمید کی چمک عود کر آئی۔ اُس نے ایک مرد اور ایک عورت کو دیکھا تھا۔ ان کے چلنے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ مسافر ہیں۔ مسافر کے ہاتھ میں ایک سفری بیگ بھی تھا۔ وارث آن کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

آن میں اُن کے سر پر پہنچ چکا تھا۔

''صاحب! شہر چلیں گے کیا؟'' وارث نے پوچھا۔

''شہر جانا تو ہے لیکن سواریوں کے ساتھ..... اس لیے ہم پہلے اڈے پر جائیں گے.....'' وہ آدمی مسکرایا۔

''میں وہیں سے آ رہا ہوں۔ وہاں کوئی سواری نہیں ہے۔ آپ لوگ بے کار میں اتنا پیدل چلیں گے۔ بیٹھ جائیں..... میں لیے چلتا ہوں.....''

وہ دونوں رکشہ میں بیٹھ گئے۔ وارث بہت خوش تھا۔ اللہ نے اُس کی روزی کا انتظام کیا تھا۔ آج کے دن کے لیے اتنا ہی بہت تھا۔

''آپ گاؤں میں خیر سے آئے تھے؟'' وارث نے پوچھا۔

''ہاں..... ہمارے ایک عزیز کی طبیعت خراب تھی.....''

اب وارث نے غور کیا۔ وہ نیا شادی شدہ جوڑا تھا۔ آدمی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی تھی۔ جب کہ عورت نے بھی زیورات پہن رکھے تھے۔ اتنی دیر میں اڈا آ گیا۔ جس رکشہ والے کا پہلا نمبر تھا۔ اُس میں بھی دو سواریاں آ بیٹھی تھیں۔ وہ لمحہ امتحان کا تھا۔ وہ رکشہ والا وارث کی سواریوں سے کہہ رہا تھا۔

''آیئے صاحب میرا نمبر پہلا ہے۔ ہم شہر چلتے ہیں.....'' ایک سواری کا کرایہ بیس روپے تھا۔ اگر الگ سے جایا جائے تو رکشہ والے کے ایک سو بیس روپے بنتے تھے۔ اب یا تو وارث چالیس روپے کماتا یا پھر ان دو سواریوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا۔ ایک اُمید یہ بھی تھی کہ شاید راستے میں وارث کو کوئی اور سواری مل جائے۔ وہ سوچ رہا تھا اور اُس کے رکشے میں موجود سواریاں بھی تذبذب کے عالم میں تھیں کہ وارث نے شہر جانے کا فیصلہ کر لیا۔

''صاحب! ہم چلتے ہیں۔ میں آپ کو چالیس روپے میں ہی شہر لیے چلتا ہوں۔'' اتنا کہہ کر وارث نے رکشہ دوڑا دیا۔ اڈے میں موجود رکشہ والا ہاتھ ملتا رہ گیا۔ گاؤں سے نکلتے ہی ویرانہ شروع ہو گیا۔ کہیں بنجر کھیت تھے تو کہیں فصلیں لہلہا رہی تھیں۔ سورج سر پر پہنچ چکا تھا۔ گرمی اپنے عروج پر تھی۔ شاید اسی وجہ سے کوئی انسان دُور دُور تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ وارث خاموشی سے رکشہ چلا رہا تھا۔ اور اُس کے پیچھے رکشہ میں موجود دونوں میاں بیوی باتوں میں مصروف تھے۔ اِس لمحے وارث کو تنویر یاد آ گیا تھا۔ ابھی کل کی بات ہے۔ تنویر شہر میں رکشوں کے اڈے پر آیا تھا۔ وارث نے اُسے تین دن کے بعد دیکھا تھا۔ اور جب دیکھا تھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ یہ وہ تنویر تو نہیں تھا جو رکشہ چلاتا تھا۔ اُس نے اچھا لباس پہنا ہوا تھا۔ ہاتھ میں موبائل فون بھی قیمتی تھا۔ اُس کا تو انداز ہی بدلا ہوا تھا۔ اُسے دیکھ کر سب ہی حیران ہو رہے تھے۔ تنویر وارث کا بچپن کا دوست تھا۔ دونوں کو ایک دُوسرے پر اعتماد تھا۔ بھروسہ تھا۔ وہ دل کی بات ایک دُوسرے سے کہہ لیا کرتے تھے۔ اور آج بھی وارث کو پورا یقین تھا کہ تنویر اور کسی کو بتائے یا نہ بتائے، لیکن وارث کو ضرور بتائے گا کہ اُس کے انداز و اطوار میں تبدیلی کی وجہ کیا ہے اور پھر تنویر نے وارث کو ساری بات بتائی۔ وہ بات ایسی تھی کہ وارث کانپ کر رہ گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تنویر ایسی حرکت بھی کر سکتا ہے۔

تین دن پہلے تنویر کے رکشہ میں ایک مسافر بیٹھا تھا۔ رات کا وقت تھا۔ وہ اپنی شکل و صورت اور لباس سے ایک امیر آدمی معلوم ہوتا تھا۔ تنویر کا دل بے ایمان ہو گیا۔ اس کا کام ایسا تھا کہ ہر مزاج کے لوگوں سے اس کا ملنا ملانا رہتا تھا۔ چند بدمعاش دوستوں کی صحبت نے اُس پر اپنا رنگ چڑھا دیا تھا۔ اور پھر اُس نے اُس رنگ کا اثر لیا۔ اُس کے پاس ایک چھوٹا خنجر تھا۔ ایک تاریک مقام پر اُس نے اپنا رکشہ روک لیا۔ اور پھر خنجر کی نوک پر اُس مسافر کو لوٹ لیا۔ اس واردات میں ایک قیمتی موبائل فون اور تیس ہزار کے قریب رقم اُس کے ہاتھ لگی۔ اس مسافر کو ایک گہرا زخم لگا کر وہ اپنے رکشے سمیت فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اب اُس لوٹی رقم سے وہ عیش کر رہا تھا۔ نہ جانے کیوں وارث کو تنویر کا خیال آ گیا تھا۔ اور اب شیطانی جذبہ وارث کو ورغلانے لگا تھا۔ اُس کے رکشے میں نوبیاہتا جوڑا بیٹھا ہوا تھا۔ اُن کے پاس زیورات تھے۔ ان کے پاس نقد رقم بھی ضرور ہو گی۔ وارث کے پاس ایک نوکیلا پیچ کس موجود تھا جس کی مدد سے وہ ضرورت پڑنے پر اپنے رکشہ کی مرمت کرتا تھا۔ اس پیچ کس سے وہ ہتھیار کا کام لے سکتا تھا۔ دُور دُور تک ویرانہ تھا۔ ایک ذرا سا حوصلہ چاہیے تھا۔ اور پھر اُس کے گھر کے تمام افراد خوش حال ہو جاتے۔

وہ دل ہی دل میں منصوبہ بنانے لگا۔ وہ رکشہ کی خرابی کا بہانہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

کر کے رک جائے گا اور پھر نوکیلا پیچ کس عورت کی شہ رگ پر رکھ کر اُن سے تمام زیورات اور نقدی چھین لے گا۔ اور پھر..... اور پھر.....

ایسے میں اچانک جیسے ایک روشنی کی لہر کوندی ہو۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے اُس کی امی کا چہرہ آ گیا۔ امی کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس کا بیٹا غریب ہو سکتا تھا، لیکن راہزن نہیں ہو سکتا تھا۔ تمام شیطانی جذبات ایک لمحے میں فنا ہو کر رہ گئے تھے۔ اب وارث مطمئن تھا۔ اس کے رکشے میں موجود سواریاں لاعلم تھیں کہ ایک خوف ناک طوفان اُن کی زندگیوں میں آتے آتے ٹل گیا ہے۔ اب شہر کے آثار شروع ہو گئے تھے۔ اُسے راستے میں ایک بھی سواری نہیں ملی تھی۔ پھر اس کا رکشہ شہر میں موجود رکشوں کے اڈے پر پہنچ گیا۔ یہاں وارث نے ہلچل کے آثار دیکھے ایک جگہ لوگوں کا ہجوم تھا۔

''تنویر پکڑا گیا ہے۔'' وارث نے ایک شور سا سنا۔ اس خبر نے وارث کو بے چین کر دیا اور پھر وارث نے تنویر کو دیکھا۔ اس کے چاروں طرف پولیس کی نفری موجود تھی۔ پولیس نے اُسے یوں دبوچ رکھا تھا جیسے بکرے کو ذبح کرنے سے پہلے قصائی دبوچتے ہیں۔ اُس کی حالت بہت خراب تھی۔ وہ رو رہا تھا۔ معافیاں مانگ رہا تھا۔ آزاد ہونے کی کوشش میں اُس کے کپڑے بھی پھٹ چکے تھے۔ وہ جتنا زور لگاتا تھا۔ پولیس کے جوان اُس پر اتنی ہی گرفت مضبوط کر دیتے تھے۔ پھر وارث نے سنا کوئی کہہ رہا تھا۔

''کیا زمانہ آ گیا ہے۔ منزل پر پہنچانے والے راستے میں لوٹنے لگے ہیں۔ اس نوجوان نے ایک آدمی کو خنجر کی نوک پر لوٹا ہے، لیکن یہ نہیں جانتا جرم کوئی بھی ہو اپنے پیچھے ثبوت چھوڑ جاتا ہے۔ یہ نوجوان اُس آدمی کا موبائل فون استعمال کرنے لگا تھا کہ پکڑا گیا۔ اب یہ جیل جائے گا۔ یہ جرم کرنے سے پہلے اُن لوگوں کے متعلق تو سوچ لیتا جو اس سے پیار کرتے ہیں اس کے والدین کے دل پر کیا بیتے گی؟'' وہ آدمی یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا۔ وارث کی آنکھوں کے کنارے سلگنے لگے تھے۔ ٹھیک وقت پر اُسے اپنی ماں کا خیال آ گیا تھا۔

وہ چونک پڑا۔ وہ اپنے رکشے میں موجود سواریوں کو تو بھول ہی گیا تھا۔ دونوں وارث کے رکشے سے اتر گئے تھے۔

''بھائی کرایہ تو لے لو.....'' وہ آدمی وارث سے کہہ رہا تھا۔ پھر اُس نے اپنی جیب سے پرس نکال کر کھولا تو وارث نے دیکھا کہ پرس میں ہزار، ہزار روپے کے کئی نوٹ تھے۔ اُس آدمی نے سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر وارث کی طرف بڑھایا اور بولا۔

''رکھ لو.....'' وارث حیران رہ گیا۔

''کیا مطلب؟''

''تم ہمیں گاؤں سے شہر تک لائے ہو، ہمارے درمیان کرائے کی بات طے ہو چکی تھی، لیکن میرا دل نہیں چاہتا کہ میں تمہارے ساتھ زیادتی کروں۔ اس لیے یہ سو روپیہ تم رکھ لو.....'' وارث کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ آدمی بھی مسکرایا اور پھر وہ دونوں میاں بیوی اپنی منزل کی طرف چل پڑے۔ پھر شرمندگی کے احساس سے وارث کا سر جھک گیا۔ وہ اتنے اچھے آدمی کو لوٹنے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ وارث جان چکا تھا کہ جو کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا۔ اللہ بھی اُس کے ساتھ زیادتی نہیں ہونے دیتا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

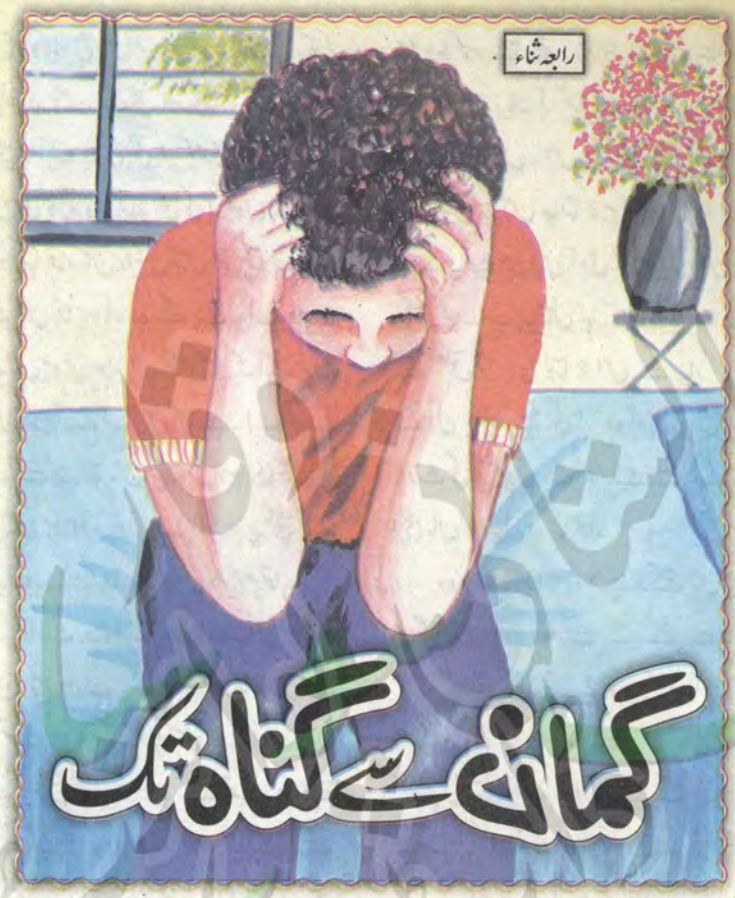

اُس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ اضطراب کے عالم میں کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اُس کے کانوں میں زید کی آواز گونج رہی تھی، یک دم اس نے اپنے بالوں کو مٹھی میں جکڑ لیا اور بیڈ پر بیٹھ گیا۔ ''میں کیا کروں میرے اللہ.....'' اُس نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر کہا۔ زید کی باتیں بار بار اُس کے ذہن میں گردش کر رہی تھیں۔ اچانک اُسے جانے کیا ہوا۔ اُس نے وضو کیا اور قرآن مجید کھول لیا۔ اُس کی نظر ایک آیت پر جم گئی..... اور ذہن میں پچھلے مہینے ہونے والے واقعات فلم کی طرح چلنے لگے۔

☆.....☆.....☆

''ریان!..... ذرا یہ والا سوال دیکھنا، کیسے ہو گا؟'' زید نے بال پوائنٹ سے سر کھجاتے ہوئے کاپی ریان کی طرف بڑھائی، لیکن پھر اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔

''کیا ہوا ریان؟'' گود میں رکھے کشن کو پیچھے پھینکتے ہوئے حارث بھی اُس کی طرف لپکا تھا۔

ریان بیٹھے بیٹھے زمین پر لڑھک چکا تھا۔ اُس کے جسم کو عجیب قسم کے جھٹکے لگ رہے تھے اور کھلی ہوئی آنکھوں میں ویرانی چھا گئی تھی۔ ''ریان..... ریان.....'' وہ دونوں بوکھلا کر اُسے پکڑنے لگے اُس کے کھنچے ہوئے جسم کو جھٹکوں سے بچانے کے لیے دونوں نے اس کے بازوؤں اور ٹانگوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا، لیکن ریان کا جسم کسی طور پُرسکون نہیں ہو رہا تھا بلکہ جھٹکے اور بڑھ گئے تھے۔ شور کی آواز سن کر بھائی جان لاؤنج میں چلے آئے تھے۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' ایک لمحے کے لیے بھائی بھی حیران رہ گئے۔

''بھائی جان..... بھائی جان۔''

زید کا چہرہ پریشانی سے زرد پڑ چکا تھا۔

''بھائی!..... اسے دیکھیں کیا ہوا ہے۔''

''ارے ارے..... تم دونوں چھوڑ دو اسے..... پیچھے ہٹ جاؤ.....'' بھائی جان تیزی سے ان کے پاس آئے اور انہیں پیچھے ہٹا کر ریان کے سر کے نیچے ہاتھ رکھا۔

''ایک کشن دو..... جلدی کرو.....'' بھائی سنجیدہ ضرور تھے مگر ان کے چہرے پر بوکھلاہٹ یا پریشانی ہرگز نہیں تھی۔ انہوں نے ریان کے سر کے نیچے کشن رکھ کر اُسے ہلکی سی کروٹ دی اور اُس کی پشت کی جانب زمین پر بیٹھ گئے۔

''بھائی جان! اسے کیا ہوا ہے؟'' حارث نے ریان کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، یہ Epilepsy (مرگی) کا اٹیک ہے۔ کچھ دیر میں یہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا.....'' بھائی جان نے حارث کے کندھے کو ہلکا سا تھپتھپا کر کہا اور فوراً ہی دوبارہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

ریان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''بھائی جان! میں اس کے لیے پانی لاؤں؟'' زید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''بالکل نہیں..... ایسی حالت میں مریض کے منہ میں کچھ بھی نہیں ڈالتے، نہ ہی اُس کے جسم کو پکڑ کر ان جھٹکوں کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیے، ایسا کرنا مریض کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے..... بس تھوڑی دیر میں یہ خود ٹھیک ہو جائے گا۔'' تھوڑی دیر بعد ریان کا متحرک جسم ٹھہرنے لگا تھا۔ اس کے کھنچے ہوئے اعصاب معمول پر آنے لگے اور ایک ہی نقطے پر مرکوز ویران آنکھوں میں لرزش ہونے لگی..... وہ اب واپس ٹھیک حالت میں آ رہا تھا۔ اب بھائی جان نے اُس کی پشت کو آہستہ آہستہ سہلانا شروع کر دیا۔

''ریان!'' انہوں نے بہت نرمی سے اس کو پکارا۔

''تم ٹھیک ہو؟.....'' جسم کی لرزش مکمل طور پر تھم چکی تھی اور اُس نے یوں تھک کر آنکھیں بند کر لیں۔ جیسے میلوں دوڑتا ہوا آیا ہو۔

ریان، زید اور حارث تینوں میٹرک کے طالب علم تھے۔ زید اور حارث تو بچپن کے دوست اور محلے دار بھی تھے مگر ریان سے ان کی دوستی کو محض ایک مہینہ ہوا تھا۔ وہ ایک مہینے قبل کسی دُوسرے سکول سے ان کے سکول آیا تھا۔ اپنی سنجیدگی اور ذہانت کی وجہ سے وہ انہیں اچھا لگا، انہوں نے خود اُس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا جسے تھوڑی ہچکچاہٹ کے بعد ریان نے تھام لیا۔ اسی دوران پیپرز قریب آ گئے۔ چنانچہ آج وہ تینوں اکٹھے پڑھنے کی غرض سے زید کے گھر موجود تھے کہ ریان کو مرگی کا دورہ پڑ گیا تھا۔ جسے زید کے بڑے بھائی ڈاکٹر زبیر نے بروقت طبی امداد دے کر کنٹرول تو کر لیا لیکن اب یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ریان کو اکیلے گھر جانے دیا جائے یا کوئی اُس کے ساتھ جائے۔ ریان بضد تھا کہ وہ خود گھر جا سکتا ہے۔ جب کہ زید اور حارث اُس کو گھر چھوڑ کر آنا چاہتے تھے۔ آج جیت دوستی کی ہوئی اور تینوں اپنی اپنی سائیکلوں پر سوار ریان کے گھر کی جانب چل دیے۔

☆.....☆.....☆

آج پہلا پیپر تھا اور زید کو سوائے کیمسٹری کے اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ جماعت میں بیٹھا دہرائی کر رہا تھا کہ حارث کتاب پکڑے اُس کے پاس آ کر بیٹھ گیا تھا۔

''زید! تُو نے ریان کو دیکھا ہے آج؟''

''نہیں..... وہ ابھی نہیں آیا..... وہ آتا ہی ہو گا..... پیپر شروع ہونے میں 15 منٹ ہیں ابھی.....'' زید نے کہا۔

''مجھے لگتا ہے وہ ہم سے کسی بات پر ناراض ہے۔''

''ناراض..... مگر کیوں؟''

''پتا نہیں..... کل میں نے اس کے گھر فون کیا تو وہ نہیں ملا۔ گھر میں تھا ہی نہیں۔ سوچو ذرا آج اُس کا پیپر ہے اور وہ کل اپنے گھر پر ہی نہیں تھا یہ کیسے ممکن ہے؟ اور اس سے پہلے بھی میں نے اُس کو فون کیا تھا دو بار، کبھی وہ نہا رہا تھا۔ اور کبھی کھانا کھا رہا تھا اور یاد ہے پچھلے پورے ہفتے وہ سکول بھی نہیں آیا، لگتا ہے کوئی مسئلہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہے۔'' حارث نے کہا۔

''کیا مسئلہ ہوسکتا ہے بھلا..... تمہیں وہم ہوا ہوگا..... چلو اب باتیں مت کرو، سر آ گئے ہیں کلاس میں.....'' زید نے کہا۔

کچھ دیر بعد سر نے جوابی کاپیاں بانٹنی شروع کیں تب ریان کلاس میں آیا اور اِدھر اُدھر دیکھے بغیر اپنی جگہ پر جا بیٹھا۔ حارث اُسی کی جانب دیکھ رہا تھا، مگر ریان نے ان دونوں کی طرف دیکھنے کی بجائے سر جھکا لیا اور اپنا پین اور پنسلیں ڈیسک پر سیٹ کرنے لگا۔ حارث نے پلٹ کر زید کی طرف دیکھا، لیکن وہ متوجہ نہیں تھا۔ وہ آنکھیں بند کر کے دُعائیں پڑھنے میں مشغول تھا۔ حارث نے بھی سر جھکا لیا اور اپنی جوابی کاپی پر حاشیے لگانے لگا، لیکن اُس کا ذہن لاشعوری طور پر ریان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ پیپر دے کر وہ دونوں نکلے تو ریان جا چکا تھا۔ سائیکل سٹینڈ میں اُس کی سائیکل موجود نہیں تھی اس کا مطلب تھا کہ وہ انہیں ملے بغیر چلا گیا تھا۔ اب تو زید کو بھی اس جانب توجہ دینی پڑی۔ اس سے قبل ریان پورا ہفتہ سکول نہیں آیا تھا اور پیپر کی وجہ سے ریان نے خیال نہیں کیا کہ ایسا کیوں ہے۔ وہ سمجھا کہ شائد اور بہت سے بچوں کی طرح وہ بھی گھر بیٹھ کر تیاری کر رہا ہوگا، لیکن آج کے واقعے نے ثابت کر دیا کہ وہ واقعی اُن دونوں سے کترا رہا ہے۔

پیپر کے دس دن اسی طرح گزر گئے۔ ریان عین وقت پر کمرہ جماعت میں پہنچتا اور وقت سے پہلے اٹھ جاتا..... دونوں اپنی اپنی جگہ پریشان تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے..... آخر انہوں نے فیصلہ کیا کہ اب اس راز سے پردہ اٹھ ہی جانا چاہیے کہ ایسا کیا ہوا ہے کہ ان کا دوست یک دم بدل گیا ہے۔

☆.....☆.....☆

ریان آخری پیپر دے کر نکلا اور تیزی سے سائیکل سٹینڈ کی جانب بڑھا..... وہ آج بھی زید اور حارث کے آنے سے قبل گھر جانا چاہتا تھا..... لیکن یہ کیا.....؟ وہ دونوں اُس سے پہلے وہاں موجود تھے۔ حارث نے اُس کی سائیکل کا ہینڈل پکڑ رکھا تھا اور زید اُس کی سائیکل کے کیریئر پر چڑھ کر بیٹھا ہوا تھا۔

''آؤ..... آؤ دوست..... حیران کیوں ہو، بھئی یہ تمہاری ہی سائیکل ہے..... رک کیوں گئے۔ زید نے اُسے دیکھ کر نعرہ لگایا۔

''ہماری انگلیاں دیکھ پیارے، آج جس رفتار سے ہم نے پیپر کیا ہے یہ یا تو ہم جانتے ہیں یا ہمارا خدا..... یہ دیکھو انگلیاں زخمی ہوگئی ہیں..... تم کیسے اتنی جلدی پیپر کر کے بھاگ لیتے تھے، اس راز سے آج پردہ اٹھا ہی دو.....'' حارث بولا۔

''وہ یار..... مجھے ذرا جلدی ہے.....'' ریان نے اٹکتے ہوئے کچھ کہنا چاہا۔

''ہاں ہاں..... چلے جانا، ہم کون سا تمہیں روک رہے ہیں۔'' حارث نے طنزیہ انداز اختیار کیا لیکن وہ رکے نہیں بلکہ اُسے لے کر چلتے ہی رہے اور بالآخر بیالوجی لیب کی سیڑھیوں پر اُسے دھکیل کر اُس کے دائیں بائیں جم چکے تھے۔

ریان گھٹنوں میں سر دے چکا تھا۔ ''ریان!.....'' زید نے اُس کے کندھے پر سر رکھ کر نرمی سے پکارا..... ریان کا سر مزید جھک گیا۔

''یار! اگر تمہیں کوئی بات بُری لگی ہے یا کوئی ناراضگی ہے تو بتاؤ تو سہی کہ کیا مسئلہ ہے..... ہم سے کوئی غلطی ہوئی ہے کیا؟'' زید نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہاں چندا!..... بتا کہ کیا ہوا ہے۔ میں تو عقل کے گھوڑے دوڑا دوڑا کر خود بھی تھک گیا ہوں اور گھوڑے بے چارے بھی ہانپنے لگے ہیں مگر ابھی تک اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔'' حارث کا مسخرہ پن حسبِ معمول اُس کے ساتھ تھا۔ زید نے اُسے گھور کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا، لیکن اُس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

''تم لوگوں کو وہم ہوا ہے ایسا کچھ نہیں ہے۔'' ریان نے سر نہیں اٹھایا، گھٹنوں کے بیچ سے آواز آئی تھی۔

''ننھے! پھر بھی پتا تو چلے کہ کیا ہوا ہے۔''

''کہا نا..... کچھ نہیں ہوا.....'' تم لوگ کیوں میرے پیچھے پڑے ہو.....'' ریان یک دم تلخ ہو گیا۔ حارث کچھ اور کہنا چاہتا تھا، لیکن زید کے اشارے پر چپ کر گیا۔ ''ٹھیک ہے یار..... تم نہیں بتانا چاہتے تو ٹھیک ہے، لیکن بس اتنا بتا دو کہ کیا تم ہم سے دوستی ختم کرنا چاہتے ہو؟ بس پھر ہم تمہیں تنگ نہیں کریں گے۔'' اب

WWW.PAKSOCIETY.COM

دونوں کے چہروں پر سنجیدگی تھی۔

''مجھے کچھ نہیں معلوم..... بس میں لوگوں میں نہیں رہ سکتا، میں نے تمہیں شروع میں بتایا تھا کہ میں دوست نہیں بناتا..... مجھے دوست بنانے کی عادت نہیں ہے۔'' ریان بے رخی سے کہہ کر اٹھ گیا۔

''لیکن کیوں؟ دوستی تو بہت خوب صورت رشتہ ہے۔ تمہیں کیوں چڑ ہے اس رشتے سے؟'' زید نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''اس لیے کہ اس رشتے نے ہمیشہ میرا مذاق اڑایا ہے۔ جانتے ہو، میں ان دس سالوں میں کتنے سکول بدل چکا ہوں..... صرف اور صرف ان نام نہاد دوستوں کی وجہ سے جو میرے مرض کا مذاق بنا کر میرے لیے کہیں بھی رہنا مشکل کر دیتے ہیں..... اور اب تم لوگ بھی یقیناً میرا مذاق اڑاؤ گے، مجھے مضحکہ خیز حالت میں دیکھ کر تمہیں بھی ہنسی آئی ہو گی اور اب میرے لیے اس سکول میں رہنا بھی مشکل ہو جائے گا۔ اس سے پہلے کہ تم میرا مذاق اڑاؤ میں خود ہی کیوں نہ تم لوگوں کو چھوڑ دوں۔''

ریان کی بدگمانی عروج پر تھی۔ حارث اور زید حیرت میں گم اُس کی باتیں سن رہے تھے۔ ان کے تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ ریان ایسا سوچ رہا ہے۔ ریان اپنا سر تھام کر وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گیا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا۔

''مجھے مرگی کے دورے پڑتے ہیں تو اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں۔ ایسی حالت میں میرا کھنچا تنا جسم اگر دُوسروں کے لیے ہنسی کا باعث بنتا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں، سوائے کڑھنے اور جلنے کے..... تم بتاؤ، پھر میں دوست کیوں بناؤں جب کہ یہ ہی خوب صورت رشتہ مجھے ہمیشہ اپنے بدصورت رویے سے یہ احساس دلاتا ہے کہ دُنیا میں کوئی بھی دوستی کے لائق نہیں.....'' اب وہ آہستہ آہستہ تھکے ہوئے انداز میں بول رہا تھا۔ حارث اور زید نے ایک دُوسرے کی طرف دیکھا اور ریان کے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔

''ریان! یار تم ٹھیک کہہ رہے ہو، لیکن یار پانچوں انگلیاں کبھی برابر نہیں ہوتیں..... اگر ہم نے تمہارا مذاق اڑانا ہوتا تو کئی دن

WWW.PAKSOCIETY.COM

پہلے یہ کام کر چکے ہوتے..... تمہیں ہمارے کسی بھی رویے سے ایسا لگا کہ ہم تمہارا مذاق اڑائیں گے۔'' حارث کے لہجے میں دکھ تھا

''کیا تم دُنیا سے الگ ہو؟'' ریان تیزی سے بولا۔

''ہمارا دین الگ ہے۔ دُنیا کا خوب صورت اور بہترین مذہب..... جو لوگ اپنے دین پر عمل کرتے ہیں وہ خود بخود دُوسرے لوگوں سے الگ اور بلند ہو جاتے ہیں۔'' سورۃ الحجرات آیت نمبر ۱۱ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

''اے ایمان والو! مرد دُوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہو اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہو، اور آپس میں ایک دُوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ کسی کو بُرے لقب دو۔'' زید شائد اس قدر سنجیدہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ ''اور ہاں ایک بات اور..... دُوسروں پر اعتبار کرنا سیکھو..... ضروری نہیں سبھی لوگ ایک جیسے ہوں.....'' اس کے ساتھ ہی اُس نے حارث کو اشارہ کیا اور دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے سائیکل سٹینڈ کی طرف بڑھ گئے۔

☆.....☆.....☆

ریان گھر آیا تو بہت مضطرب تھا۔ امی کو سلام کر کے وہ فوراً ہی اپنے کمرے میں آ گیا۔ اُسے کسی پل چین نہیں آ رہا تھا۔ وہ کمرے میں اِدھر اُدھر چکر لگانے لگا..... ''مجھے کیا ہو گیا تھا..... مجھے اُن کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' غصہ اتر جانے کے بعد پچھتاوا حاوی ہونے لگا تھا۔ ''ان دونوں کا بھلا کیا قصور تھا۔'' اُس نے بیڈ پر بیٹھ کر سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا ''میں کیا کروں میرے اللہ!.....'' اُس نے اپنے بالوں کو زور سے ہاتھوں میں جکڑا۔ اُس کے کانوں میں زید اور حارث کی آوازیں گونج رہی تھیں..... یک دم وہ تیزی سے اٹھا اور غسل خانے میں داخل ہو گیا۔ اب وہ وضو کر رہا تھا۔ وضو کر کے وہ کمرے میں آیا تو اُس کی بے چینی میں کچھ کمی ہو چکی تھی۔ اُس نے الماری سے قرآن مجید نکالا اور بستر پر بیٹھ گیا۔ جیسے ہی اُس نے قرآن کریم کھولا، اتفاقاً اُس کے سامنے وہی آیت اور اُس کا ترجمہ چمکنے لگا جو زید نے اُس کے سامنے پڑھی تھی۔ اور اُس آیت سے ہوتی ہوئی اُس کی نظریں اگلی آیت پر جم گئیں۔

''اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو، یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔'' (سورۃ الحجرات آیت: ۱۲)

اُس کے اندر کی بے چینی یک دم ختم ہو گئی۔ وہ فیصلہ کن انداز میں اٹھا۔ اب اُس کا رخ زید کے گھر کی جانب تھا کیوں کہ وہ بدگمانی سے گناہ تک نہیں پہنچنا چاہتا تھا۔

☆.....☆.....☆

حق گوئی

ایک بار امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مجلسِ درس میں خلیفہ منصور حاضر ہوا۔ امام رحمۃ اللہ علیہ نے منصور کے لیے کوئی اہتمام نہ کیا، نہ آپ مسند درس سے تعظیماً کھڑے ہوئے اور نہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا، جب کہ اُس دور کی یہی رسم تھی، مگر امام رحمۃ اللہ علیہ نے اس رسم کو توڑ ڈالا تھا۔ منصور آیا اور ادب سے بیٹھ کر درس سنتا رہا۔ جب فقہ کے مسائل پر گفتگو کا آغاز ہوا تو منصور نے ایک عجیب و غریب سوال پوچھا اور امام رحمۃ اللہ علیہ سے فتویٰ طلب کیا۔

''اگر کسی کے لباس پر ایک مچھر کا خون لگ جائے تو وہ کپڑے ناپاک ہو جائیں گے یا ان کی پاکی برقرار رہے گی؟''

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حیرت سے منصور کی طرف دیکھا پھر چند لمحوں تک کچھ سوچتے رہے۔ حاضرینِ محفل پر اس وقت سکتہ طاری تھا اور امام رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے کی رنگت تیزی سے بدل رہی تھی۔ یہاں تک کہ امام رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ پھر آپ بولے:

''جس کا لباس بے شمار انسانوں کے لہو سے سرخ ہو وہ مجھ سے مچھر کے خون پر فتویٰ لینے آیا ہے؟'' امام کی باوقار آواز گونجی اور مجلس کے در و دیوار لرز کر رہ گئے۔ منصور کے چہرے پر شرم و ندامت کی جھلک تھی۔

منصور کے لیے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اندازِ گفتگو نیا نہیں تھا۔ آپ ہمیشہ سے اسی طرزِ کلام کے عادی تھے۔ وہ امام کی حق گوئی کا معترف تھا۔

(قمر ناز دہلوی، کراچی)

WWW.PAKSOCIETY.COM

رانا محمد شاہد

واقعاتِ مادرِ ملّت
محترمہ فاطمہ جناح

قائد کی تیمارداری

کرنل الٰہی بخش، قائداعظم کے زیارت میں معالج تھے، انہوں نے محترمہ فاطمہ جناح کو مسلسل تیمارداری کرتے اور جاگتے دیکھ کر ایک روز انتہائی احترام کے ساتھ عرض کیا۔

''ہم اپنے قومی باپ کی صحت کے ذمہ دار ہیں، آپ فکر نہ کریں اور آرام کریں، بے آرامی کے سبب کہیں آپ بیمار نہ ہو جائیں۔''

محترمہ فاطمہ جناح نے انہیں جواب میں کہا۔

''میری زندگی میری نہیں ہے..... میں اپنی زندگی اپنے بھائی کے لیے وقف کر چکی ہوں، میں تو اب یہی محسوس کرتی ہوں جیسے میں قائداعظم کی تیمارداری نہیں کر رہی ہوں بلکہ اپنی کر رہی ہوں۔''

بے خوفی اور صداقت

محترمہ فاطمہ جناح قصیدہ گو قسم کے لوگوں کو پسند نہیں کرتی تھیں۔ وہ بہت مختصر گفتگو کرتیں، بے کار باتیں کبھی نہ کرتی تھیں۔

بیگم ثریا خورشید نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ ایک روز ایک اعلیٰ افسر فلیگ اسٹاف ہاؤس آیا۔ اُس نے مالٹوں کا ایک کریٹ ملازم کو دیا اور محترمہ فاطمہ جناح سے ملنے کی اجازت چاہی۔ مادرِملت نے مالٹے واپس کرا دیئے اور ملنے سے انکار کر دیا، لیکن وہ شخص کسی صورت مالٹے واپس نہ لیتا تھا۔ چنانچہ محترمہ نے ملازم سے کہا۔ ''اسے کہو، اسے جرأت کیسے ہوئی کہ وہ کسی قسم کے تعلق کے بغیر میرے پاس پھل لے کر آیا، تم پھل سڑک پر رکھ دو اور واپس آ جاؤ۔''

ملازم کے جانے کے بعد میں نے کہا: ''محترمہ! ہوسکتا ہے وہ شخص واقعی آپ کے لیے قدر و منزلت کے دلی جذبات رکھتا ہو اور خوشی سے یہ تحفہ لایا ہو۔''

محترمہ فاطمہ جناح نے جواب دیا: ''میں خوب جانتی ہوں، یہ حکومت میری نگرانی کرتی ہے۔ یہ سنتری جو پہرہ دیتے ہیں، ہر بات اپنے افسروں کو بتاتے ہیں کہ آج مجھ سے کون ملنے آیا اور کون گیا، وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں ان چیزوں سے ڈرنے والی نہیں اور مجھ پر ان کا ذرا بھی اثر نہیں ہوتا۔ میں نے کئی بار حکومت سے کہا ہے کہ میرے گھر سے سنتری ہٹا دیں، لیکن وہ صرف لوگوں کو دکھانے کے لیے یہ سب کچھ کرتے ہیں کہ حکومت قائداعظم کی بہن کا کس قدر احترام کرتی ہے۔ قائداعظم نے اپنا سب کچھ ٹرسٹ کو دے دیا، لیکن پھر بھی میرے لیے اتنا چھوڑ گئے ہیں کہ عزت کی زندگی گزار سکوں، میں کب ان کی پروا کرتی ہوں، یہ لوگ مجھے جانتے ہوئے بھی نہیں جانتے۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM

مفت کا احسان

ایک اور واقعہ بیان کرتے ہوئے بیگم ثریا خورشید لکھتی ہیں۔

''ایک شام ہم کلفٹن کی طرف گئے۔ واپسی پر صدر کی ایک مخصوص دُکان پر جہاں سے محترمہ ہمیشہ پھل خریدتی تھیں، وہاں رُکے۔ انہوں نے آم اور امرود کے دام پوچھے تو دُکان دار کہنے لگا۔

''آم دُوسروں کے لیے پانچ روپے سیر ہیں، لیکن آپ کے لیے ساڑھے چار روپے سیر ہیں۔ امرود دُوسروں کے لیے دو روپے اور آپ کے لیے ڈیڑھ روپے سیر ہیں۔''

دُکان دار کا خیال ہوگا کہ اس قسم کی باتیں کر کے وہ انہیں متاثر کر لے گا، لیکن محترمہ فاطمہ جناح الٹا ناراض ہوگئیں اور بولیں۔

''میرے لیے علیحدہ بھاؤ کیوں؟ اگر قیمت وہی ہے تو مجھے دُوسری کیوں بتاتے ہو، مفت کا احسان کس لیے؟ میں ان باتوں کو بُرا سمجھتی ہوں۔''

دُکان دار کھسیانا ہوگیا اور معافی مانگنے لگا۔ کچھ دیر بعد محترمہ فاطمہ جناح نے کہا۔

''قصور دُکان دار کا بھی نہیں، یہ طرزِ عمل ہمارا قومی کردار بن گیا ہے کہ بغیر کسی وجہ کے یوں ہی دُوسروں پر احسان جتا کر جھوٹی باتوں سے انہیں متاثر کیا جائے۔ ہمارے لوگ ان باتوں کو سچ سمجھ کر دھوکا کھا جاتے ہیں۔''

مفت کی سیر

ایک دن محترمہ فاطمہ جناح نے بجلی کا کام کرنے والے ایک مستری کو بلوایا کیوں کہ گھر میں کچھ مرمت طلب کام تھا اور کچھ نئی چیزیں بھی لگانی تھیں۔ چنانچہ سامانِ بجلی کی خریداری کی خاطر محترمہ فاطمہ جناح مستری کو اپنی گاڑی میں بیٹھا کر خود بازار لے گئیں۔ سامان کی خریداری میں آدھا دن صرف ہوگیا۔ سامان کی خریداری کے بعد مستری نے گھر آ کر کام شروع کیا۔

شام کو اُس نے اجرت طلب کی تو محترمہ فاطمہ جناح نے اسے مکمل دن کی بجائے نصف یوم کی اجرت دی۔ اُس نے کہا: ''محترمہ یہ تو آدھے دن کی اجرت ہے۔ حالانکہ میرا تمام دن صرف ہوا ہے۔''

محترمہ فاطمہ جناح نے جواب دیا۔ ''میاں تم نے آدھا دن کام کیا جب کہ آدھا دن میری گاڑی میں گھومتے رہے۔ اس لیے تم نے جو آدھا دن کام کیا ہے، اسی کی اجرت ملے گی۔''

اُس نے کہا: ''محترمہ! اگر میں آپ کا عقیدت مند نہ ہوتا تو پورے دن کی اجرت وصول کرنے کی ضد کرتا، بہرحال اب جس طرح آپ کہتی ہیں، مجھے منظور ہے۔''

محترمہ فاطمہ جناح نے پوچھا: ''کیا کل کام کے لیے آؤ گے؟''

اس نے کہا: ''میں ضرور آؤں گا، مگر گاڑی پر گھومنے نہیں جاؤں گا۔ صبح آتے ہی کام شروع کر دوں گا اور شام تک کام کرتا رہوں گا۔ یوں پورے دن کی اجرت لوں گا۔ سامان آپ خود لائیں گی۔ میں غریب آدمی ہوں، گاڑی کی سیر کر کے گزارہ نہیں کر سکتا۔''

مستری دُوسرے دن آیا تو محترمہ فاطمہ جناح نے اسے پورے دن کی اجرت دی اور پھر کچھ رقم بطور انعام یہ کہہ کر دی۔ ''میاں! یہ انعام ہے، کہیں تم اسے کل کے آدھے دن کی بقایا اجرت سمجھو۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM

کھوج لگائیے!

ذہانت آزمائیں اور 500 روپے کی کتابوں کا انعام پائیں۔

موسمِ گرما کی تعطیلات کا آغاز ہو چکا تھا۔ علیم کے دوست وقار کا فون آیا تھا، اُس نے علیم کو اپنے شہر آنے کی دعوت دی تھی۔ وقار پچھلی گرمی کی چھٹیوں میں علیم کے شہر آیا تھا۔ اُس وقت علیم نے وعدہ کیا تھا کہ وہ آئندہ سال اس کے شہر سیر کرنے کے لیے ضرور آئے گا۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ علیم کے ابو جان کو اپنے دفتری کام کے سلسلے میں اُسی شہر جانا تھا یوں علیم کو اس شہر میں جانے میں کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ علیم ایک ہفتہ وہاں رہا اور شہر کے اہم تفریحی مقامات شکر پڑیاں اور دامنِ کوہ کی سیر کی۔ انہوں نے جمعۃ المبارک کی نماز فیصل مسجد میں ادا کی تھی۔ آپ نے کھوج لگانا ہے کہ علیم اپنے دوست کو ملنے کس شہر گیا تھا؟

جون 2012ء میں شائع ہونے والے ''کھوج لگائیے'' کا صحیح حل: ''آب'' کا مطلب ہے ''پانی''، بیمار آدمی پانی لانے کے لیے کہہ رہا تھا۔

1۔ مدیحہ مسعود، لاہور
2۔ نیلوفر جاوید، ڈیرہ غازی خان
3۔ زوبیہ رضی، کراچی
4۔ حمزہ افتخار، گوجرانوالہ
5۔ ماہ نور نواب، ملتان

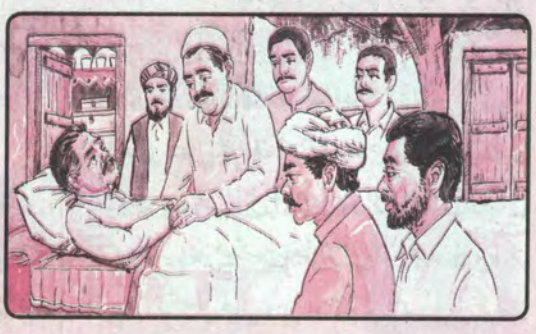

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 جولائی 2012ء ہے۔

کھوج لگائیے!

نام: _____

پتا: _____

_____

WWW.PAKSOCIETY.COM

پانچ ہزار کا نوٹ

غلام محی الدین ترک

منیر کافی دیر سے نئے نوٹ گن رہا تھا اور راجہ کی نظریں بار بار اُس کی طرف اٹھ جاتیں، وہ دونوں ایک دفتر میں ملازمت کرتے تھے ،منیر اس ادارے کا کیشیئر تھا اور راجہ اکاؤنٹنٹ تھا۔ ادارے میں جس شخص کو بھی پیسوں کی ضرورت ہوتی، وہ منیر سے طلب کرتا تھا۔

راجہ روزانہ اپنے کام میں اس قدر مصروف ہوتا کہ اُسے منیر کی طرف دیکھنے کی بھی فرصت نہ ہوتی مگر آج اس کا کام میں جی نہیں لگ رہا تھا،اور اس کی نگاہیں بار بار اس طرف اٹھ جاتیں جہاں منیر بیٹھا ہوا تھا۔

اتنے میں ارشد بھائی ان کے کمرے میں داخل ہوئے۔

''منیر صاحب! مجھے ادارے کے لیے ایک میز لینی ہے، مجھے کچھ پیسے دے دیں۔'' انھوں نے آتے ہی اپنا مدعا بیان کیا۔

منیر دراز میں سے پیسے نکال کر گننے لگا، راجہ بھی اسے دیکھنے لگا،اس نے نوٹ گننے کے بعد ارشد بھائی کی طرف بڑھائے ،وہ پیسے لے کر کمرے سے باہر نکل گئے تو راجہ نے اپنا سر جھٹک دیا۔

راجہ ان دنوں خاصا پریشان تھا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ اقبال گذشتہ ایک ہفتے سے اس کے گھر کے چکر کاٹ رہا تھا۔کل رات بھی وہ اس کے پاس آیا تھا۔

''دیکھو باؤ راجہ!تم نے مجھ سے پانچ ہزار روپے صرف ایک ماہ کی مہلت پر لیے تھے مگر پورا سال ہونے کے باوجود نہیں لوٹائے۔اگر ایک ہفتے تک تم نے مجھے پیسے نہ لوٹائے تو میں ہنگامہ کھڑا کر دوں گا اور بستی میں تمھاری جو عزت ہے ،وہ بھی خاک میں مل جائے گی۔''

اقبال سخت غصے میں تھا۔

''اقبال بھائی! مجھے شرمندگی ہورہی ہے کہ میں آپ کے پیسے ادا نہیں کر سکا۔مہنگائی بھی بہت بڑھ چکی ہے ، محدود تنخواہ میں کیا کیا کروں۔'' اس نے جواب دیا۔

''میں کچھ نہیں جانتا۔پورا سال میں نے کچھ نہیں کہا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں نے فلاحی ادارہ کھول لیا ہے۔ مجھے اپنے پیسے ایک ہفتے تک لازمی چاہئیں۔'' اقبال یہ کہہ کر چلا گیا۔

راجہ اس وقت خود کو بے بس محسوس کرنے لگا۔ایک سال پہلے اس نے کسی ضرورت کے تحت اقبال سے پانچ ہزار روپے لیے تھے،اور باوجود کوشش کے وہ انھیں اب تک نہیں لوٹا سکا تھا اور اب تو اقبال کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہورہا تھا۔

اُس کا جی چاہا کہ وہ منیر سے پیسے مانگ لے ،منیر غصے کا تیز تھا،اگر لوگ اسے وقت پر پیسے نہ دیتے تو وہ دفتر میں ہی ہنگامہ کھڑا کر دیتا تھا،یہی وجہ تھی کہ راجہ کو اس سے پیسے مانگنے کی ہمت نہیں ہورہی تھی۔

کچھ دیر بعد وقفہ ہوگیا۔راجہ اپنی نشست پر ہی بیٹھا رہا۔اتنے میں منیجر صاحب نے آواز لگائی۔

''منیر! جلدی سے پچاس ہزار روپے لے کر آؤ۔''

منیر نے جلدی سے پیسے گنے اور منیجر صاحب کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ راجہ نے اب اپنی آنکھیں بند کر لیں تھیں،وہ کافی دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا،اُسے محسوس ہوا کہ منیر اپنی نشست پر آکر بیٹھ گیا ہے۔اس نے آنکھیں کھول دیں اور منیر کی نشست کی طرف

WWW.PAKSOCIETY.COM

نظریں دوڑائیں۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

اچانک اس کی نظر منیر کی میز کے نیچے پڑی، وہاں اسے کچھ نظر آیا، اس نے منیجر کے کمرے کی طرف نظریں دوڑائیں۔ ان کے کمرے کی روشنی بند تھی، اس کا مطلب تھا کہ وہ بھی اپنے کمرے میں نہیں تھے۔

منیر دوبارہ اپنے کمرے کی طرف نہیں آیا تھا۔ وہ کھانا کھانے جا چکا ہو گا پھر راجہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا منیر کی نشست کی طرف آیا، وہ جھک کر اس کاغذ کی طرف دیکھنے لگا، اچانک اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہاں پانچ ہزار کا نوٹ پڑا تھا، جو نوٹ گنتے ہوئے منیر سے گر گیا تھا۔

راجہ کو گھبراہٹ ہو رہی تھی، اسے یہی خدشہ تھا کہ اگر کسی نے اُسے دیکھ لیا تو اس کی ساری نیک نامی ملیا میٹ ہو جائے گی اور ممکن ہے کہ اُسے دفتر سے ہی نکال دیا جائے۔

''کیا میں نے تمہیں اسی لیے حلال کا لقمہ کھلایا تھا کہ پرائے مال پر نظریں رکھو۔'' اس کے ذہن میں ایک کرخت آواز گونجی۔ اس آواز کو وہ ہزاروں آوازوں میں بھی پہچان سکتا تھا۔ یہ اس کی اماں جان کی آواز تھی، بچپن سے اب تک ان کی تربیت نے اسے ایمان دار بنایا تھا، اماں جان اب وہاں تھیں جہاں سے لوٹ کر کوئی نہیں آتا، مگر ان کی تربیت اب تک اس کے کام آ رہی تھی۔

''نہیں نہیں۔'' اس نے ذہن کو جھٹکا دیا۔ اور واپس اپنی نشست پر آ کر بیٹھ گیا۔

راجہ کی توجہ اب بٹ چکی تھی، پانچ ہزار کا وہ نوٹ مسلسل اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا، ایک بار پھر وہ نوٹ اٹھانے کے لیے گیا مگر کچھ سوچ کر دوبارہ اپنی نشست پر آ کر بیٹھ گیا۔

''یہ نوٹ میری پریشانی دُور کر سکتا ہے، اقبال کو دے کر اس کا منہ بند کیا جا سکتا ہے۔'' اس نے خود کلامی کی۔

کمرے میں اب تک کوئی نہیں آیا تھا۔ اِس کے باوجود راجہ کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ کچھ سوچ کر وہ اٹھا، اور نوٹ کے قریب آیا اور اِسے اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اُس کے شیطانی عمل نے امی کی آواز کو دبا دیا تھا۔ پھر وہ نشست پر آ کر بیٹھ گیا۔ اسے یہ مسلسل احساس ہو رہا تھا کہ کوئی اُسے دیکھ رہا ہے۔ اُسے خیال آیا کہ اس کے دفتر کے ساتھیوں نے اسے دیکھ لیا ہے۔ اس کی چوری پکڑی گئی ہے اور اب سب اس پر ہنس رہے ہیں۔

وقفہ ختم ہونے میں ابھی کافی دیر تھی۔ راجہ کو بیٹھے بیٹھے اونگھ آنے لگی تھی۔

''بیٹا! میں نے ساری زندگی تمہیں حلال رزق کا سبق پڑھایا، مگر جب امتحان دینے کا وقت آیا تو اس میں تم ناکام ہو گئے۔'' امی کی آواز ابھری تو اُس نے شرمندگی کے مارے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔ اس نے ارادہ کیا کہ وہ نوٹ دوبارہ اسی جگہ پر رکھ دے مگر اس نے نوٹ اپنی جیب میں ہی رہنے دیا۔

وقفہ ختم ہوتے ہی وہ اٹھ بیٹھا۔ وہ نیکی اور بدی کی کش مکش میں گرفتار ہو چکا تھا۔ ہر بار بدی کا پلڑا بھاری ہو جاتا، نوٹ واپس کرنے کا

ارادہ کر کے وہ اسے عملی شکل نہ دے پایا تھا۔

جب وہ دفتر سے گھر پہنچا تو بیگم نے بتایا کہ اُس کی بیٹی سندس بیمار ہے۔ وہ اس کی دوا لینے چل دیا۔ جیسے ہی وہ ہسپتال پہنچا تو سیٹھ ناصر اُسے گریہ وزاری کرتے دکھائی دیئے۔ وہ حیران و پریشان ہو کر انھیں دیکھنے لگا۔ جلد ہی اسے ان کے رونے کی وجہ بھی معلوم ہوگئی۔ ان کے اکلوتے بیٹے کو کسی نے گولی مار دی تھی، اسے شدید زخمی حالت میں ہسپتال پہنچایا گیا، خون نہ ملنے کے سبب وہ انتقال کر گیا تھا۔ سیٹھ ناصر کی ساری دولت مل کر بھی ان کے بیٹے کو نہ بچا سکی تھی۔ وہ سیٹھ ناصر کے کہے ہوئے جملے سن رہا تھا۔

''ڈاکٹر! میری ساری دولت لے لو۔ میرا بیٹا مجھے لوٹا دو۔ میرا بیٹا مجھے لوٹا دو۔'' ڈاکٹر ایسا کرنے سے قاصر تھے۔ ان کے عزیز انہیں دلاسہ دے رہے تھے۔

سیٹھ ناصر کے جملوں نے راجہ کو جھنجھور کر رکھ دیا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ سیٹھ ناصر کے جملے اسی کے لیے کہے گئے ہیں۔ اس نے سندس کی دوا لی اور گھر واپس آ گیا۔

''بیگم! کوئی تشویش کی بات نہیں، معمولی بخار ہے جلد آرام آجائے گا۔'' اس نے کہا۔

''ابو! آج ماموں آئے تھے، انھوں نے مجھے دس روپے دیے ہیں مگر وہ میں نے اب تک خرچ نہیں کیے۔'' اس کے بیٹے اُسید نے بتایا۔

''کیوں؟'' اس نے پوچھا۔

''اس پر ایک جملہ لکھا ہوا ہے، اس کا مطلب پوچھنا تھا۔''

''کیا؟'' اس نے دل چسپی سے پوچھا۔

''یہ جو گول دائرے میں لکھا ہے۔ حصولِ رزق حلال عبادت ہے..... اس کا کیا مطلب ہے؟'' اُسید نے سوال کیا۔

راجہ کو ایک جھٹکا لگا۔ اسے لگا کہ اُسید نے اُس پر ہی چوٹ کی ہے۔ وہ غور سے اُسے دیکھنے لگا۔

اچانک اس کے کان میں امی کی آواز گونجی:

''بیٹا! میں نے تمھیں ساری زندگی حلال رزق کا سبق پڑھایا ہے مگر پانچ ہزار کا نوٹ اٹھانے کے بعد کیا تم یہ سبق اپنے بیٹے کو پڑھا سکو گے؟''

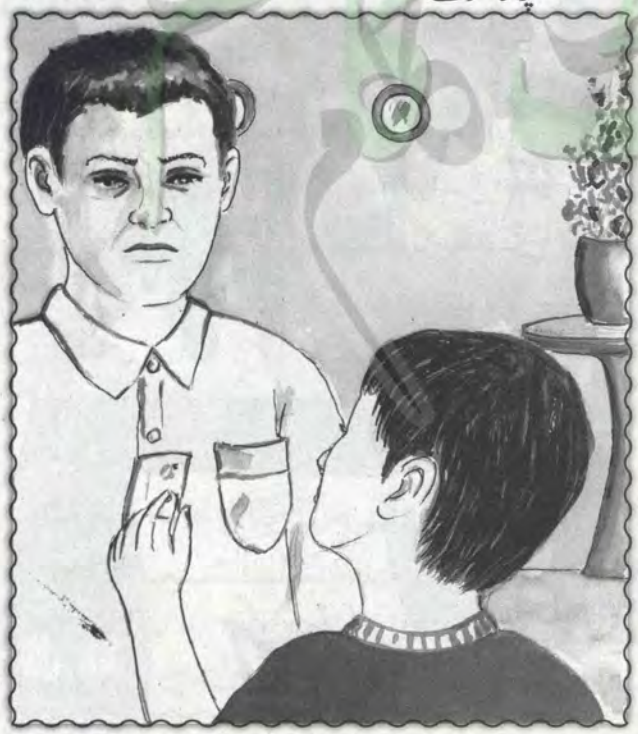

WWW.PAKSOCIETY.COM

''بیٹا! اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ روزی حلال طریقے سے کمائی جائے، ایسا کرنا عبادت کرنے کے برابر ہے۔'' راجہ نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

پھر اچانک راجہ کو آواز سنائی دی۔

''تم نے بھی تو دُوسروں کے مال کو اپنا مال سمجھا ہے تمھاری جیب میں پانچ ہزار روپے کا جو نوٹ ہے وہ بھی تو کسی اور کا ہے۔''

یہ سن کر راجہ کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا۔

صبح دفتر میں داخل ہوتے ہی اُس نے پانچ ہزار روپے کا نوٹ منیر کی طرف بڑھایا۔

''منیر بھائی! کل یہ نوٹ آپ کی میز کے نیچے سے ملا تھا، آپ اس وقت نہیں تھے پھر میں کام میں اتنا مگن رہا کہ نوٹ واپس کرنے کا خیال نہیں رہا۔'' منیر حیرت سے اُسے دیکھنے لگا۔

راجہ اب اطمینان سے اپنا کام کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد چپڑاسی نے آکر اُسے ایک لفافہ تھمایا۔ اس نے لفافہ کھول کر دیکھا۔ یہ سالانہ بڑھنے والی تنخواہ کا خط تھا۔ اِس بار اُس کی تنخواہ میں پورے پانچ ہزار کا اضافہ ہو گیا تھا۔ اس نے بے ساختہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اس کی ایمان داری کا صلہ کچھ ہی دیر میں اُسے مل چکا تھا۔ اُس نے سوچا کہ وہ منیر سے کچھ روز کی اور مہلت لے لے گا اور تنخواہ ملتے ہی اس کا قرض لوٹا دے گا۔

☆.....☆.....☆

انمول باتیں

- کوئی آئینہ انسان کی اتنی سچی تصویر پیش نہیں کر سکتا جتنی اُس کی گفتگو۔
- لاکھوں کو دوست بنانا کوئی بڑی بات نہیں، بڑی بات یہ ہے کہ تم ایک دوست ایسا بناؤ جو تمہارا اُس وقت ساتھ دے جب لاکھوں لوگ تمہارے مخالف ہوں۔
- لوگوں کو دُعا کے لیے کہنے سے بہتر ہے کہ ایسا عمل کرو کہ لوگوں کے دل سے آپ کے لیے دُعا نکلے۔
- اچھا دوست چاہے کتنا ہی بُرا ہو اُس سے تعلق نہ توڑو کیوں کہ پانی چاہے کتنا ہی گندا ہو جائے آگ بجھانے کے کام تو آتا ہی ہے۔
- زندگی اتنی تلخ نہیں کہ اس سے بھاگا جائے، لیکن اتنی شیریں بھی نہیں کہ اس کے پیچھے بھاگا جائے۔
- کانٹوں سے بھری شاخ کو ایک پھول خوب صورت بنا دیتا ہے۔
- ادب کرو، ادب انسان کا زیور ہے۔
- والدین کی دُعا سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔
- کام کا غبار بے کاری کی خوش بو سے بہتر ہے۔
- شکایت نہ کرنا بھی صبر ہے۔
- دُعا ہر کسی کو دو، بددُعا کسی کو نہ دو۔
- نماز قائم کرو، خیالات صاف رہیں گے۔

(سعدیہ فضل کریم، راول پنڈی)

WWW.PAKSOCIETY.COM

آیئے عہد کریں

ذیشان کے ہاتھ میں پہلی سہ ماہی کا رزلٹ کارڈ تھا۔ سائنس کے علاوہ اس کے تمام مضامین میں اچھے نمبر تھے۔ سائنس میں نمبر کم ہونے کے باعث اس کی پوزیشن خراب ہوتی تھی۔ دو ماہ قبل ان کی جماعت میں ایک طالب علم بلال آیا تھا۔ وہ سائنس میں بہت اچھا تھا۔ ذیشان کی جلد ہی اس سے دوستی ہوگئی تھی۔ جب بلال کو اس بات کا علم ہوا کہ ذیشان سائنس میں کم زور ہے تو اُس نے کہا کہ وہ اُسے یہ مضمون پڑھائے گا۔ پھر بلال کے ذریعے ذیشان سائنس میں دل چسپی لینے لگا۔ جب دُوسری سہ ماہی کا رزلٹ آیا تو ذیشان کے سائنس میں بہتر نمبر آئے تھے۔ اگر آپ کے دوستوں میں کوئی کسی مضمون میں کم زور ہے تو اس کی مدد کریں۔ جو بچے ایسا کرنے کا عہد کرتے ہیں اُن کے نام اگلے مہینے شائع کیے جائیں گے۔ اس عہد نامے میں شامل ہونے کے لیے کوپن ارسال کرنا ضروری ہے۔

شاباش

ان بچوں نے عہد کیا کہ وہ کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھویا کریں گے۔

سالکہ نواز، رحیم یار خان۔ صباء ناز، گوجرانوالہ۔ مہوش کوثر، لاہور۔ عابدالرحمٰن، کراچی۔ جنید نعیم دیوان، حویلی لکھا۔ کومل امجد، ملتان۔ سیف الاسلام، اوتھل۔ کمیل علی، لاہور۔ فرخ فاطمہ اشرف، حویلی لکھا۔ مہران، فرحان، راول پنڈی۔ فہد علی، کراچی۔ نعیم امین، لاہور۔ محمد حمزہ شیخ، راول پنڈی۔ صبا فاطمہ، جھنگ۔ محمد اسد، حسن ابدال۔ محمد سلمان حمید، گوجرانوالہ۔ اسد علی، ملتان۔ ایمن کائنات، ڈیرہ غازی خان۔ انیق احمد، میمونہ کنول، واہ کینٹ۔ مقسط اشرف، عریشہ سلیم، لاہور۔ محسن فضل کریم، راول پنڈی۔ صائم فرید، لاہور۔ ہانیہ عبدالوکیل، محمد حارث بھٹہ، ملتان۔ اقصیٰ فیاض، بہاول نگر۔ مزمل محبوب، عمیر منور، عثمان خالد، شیخوپورہ۔ حسام نجاد راجہ، راول پنڈی۔ سمعیہ ایوب، راول پنڈی۔ محمد حسن رضا، جوہرآباد۔ عمر فاروق دینہ۔ محمد ثوبان میر، گوجرانوالہ۔ سارہ طارق، فیصل آباد۔ اسامہ وارث، اوکاڑہ۔ حافظہ عمارہ واجد، ملتان۔ فرحان مرتضیٰ، آزاد کشمیر۔ حماد حسن، راول پنڈی۔ صاحبزادہ خان محمد، ڈیرہ اسماعیل خان۔ عبداللہ اکرم، گجرات۔ رہین گل، گوجرانوالہ۔ عبیدالرحمٰن، گجرات۔ عابد رحمٰن، لاہور۔ طلحہ راٹھور، جھنگ۔ عبداللطف چاچڑ، کشمور۔ غلام مصطفیٰ چوہدری، جہلم۔ محمد دانش، گدو بیراج۔ آمنہ امین، آسیہ امین، کراچی۔ دانیال، ریحان، خدیجہ یوسف، عمر یوسف، لاہور۔ اعظم علی، کوئٹہ۔

آیئے عہد کریں

کوپن ارسال کرنے کی آخری تاریخ 10 جولائی 2012ء ہے۔

نام _____ مقام _____

میں عہد کرتا/کرتی ہوں کہ _____

_____

_____

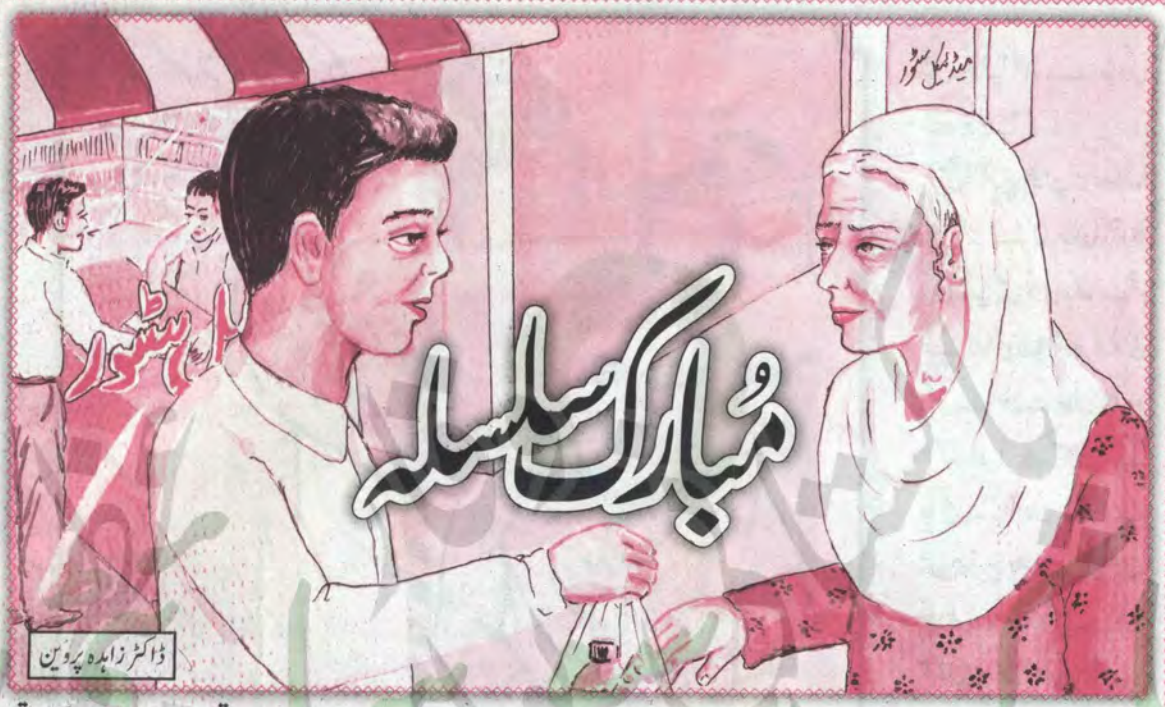

اشرف، میڈیکل سٹور سے ادویات خرید کر پلٹا تو اُس کی نظر ایک ضعیف خاتون پر پڑی، اُن کے ہاتھ میں دوا کا نسخہ اور چہرے پر پریشانی تھی۔ اشرف ان کی طرف بڑھا۔

''السلام علیکم اماں جی! آپ اتنی پریشان کیوں ہیں؟''

''وعلیکم السلام بیٹے، میرا پوتا اس ہسپتال میں داخل ہے۔'' انہوں نے سڑک کے پار موجود سرکاری ہسپتال کی طرف اشارہ کیا، ڈاکٹر نے یہ دوا لکھ کر دی ہے، اس سٹور سے پتہ کیا تو یہاں یہ دوا نہیں ہے یہ کہہ رہے ہیں کہ گلشن فارمیسی سے یہ دوا ملے گی، اب مجھے کیا علم کہ گلشن فارمیسی کہاں ہے؟''

''آپ کے ساتھ اور کوئی نہیں ہے؟'' اشرف نے پوچھا۔

''میرا بیٹا دفتر گیا ہوا ہے آنے ہی والا ہوگا، مگر یہ دوا تو ابھی چاہیے۔''

اشرف نے لمحہ بھر کچھ سوچا پھر ان کے ہاتھ سے دوا کا نسخہ لے لیا۔ ''اماں جی آپ یہیں ٹھہریے گا میں کوشش کرتا ہوں کہ دوا مل جائے۔''

''اللہ تمہارا بھلا کرے بیٹا۔'' خاتون نے ہاتھ میں موجود رقم بھی اشرف کو تھمائی۔ اس نے میڈیکل سٹور والے سے گلشن فارمیسی کا پتہ پوچھا اور اپنی سائیکل پر سوار اس کے بتائے ہوئے پتہ پر روانہ ہوگیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ مطلوبہ دوا اور بقایا رقم اس خاتون کے حوالے کر چکا تھا۔ وہ بہت ممنون تھیں۔ انہوں نے کچھ رقم اشرف کو بطور انعام دینے کی کوشش کی، مگر اس نے انعام لینے سے انکار کر دیا۔

''بس آپ ایک کام کیجئے گا، جب آپ کو محسوس ہوگا کہ آپ کسی کی مدد کر سکتی ہیں تو ضرور کیجئے گا، یہی میرا انعام ہوگا۔''

گھر جاتے ہوئے اشرف سوچ رہا تھا کہ وہ ایک ہفتے تک مطلوبہ رقم کا انتظام کیسے کرے گا۔ آج اس نے کچھ دوستوں سے رقم ادھار لی تھی مگر یہ اس کی ضرورت کے لیے ناکافی تھی۔

''یا اللہ میری مدد فرما۔'' اس نے دُعا کی۔

اشرف نے جس خاتون کو میڈیکل سٹور سے دوا لا کر دی تھی اُن کا نام منورہ بیگم تھا۔ جب ان کا بیٹا ہسپتال آیا تو انہوں نے بہت اچھے انداز سے اشرف کا ذکر کیا، جس نے انہیں پریشانی سے نکالا تھا۔ ان کے پوتے کی طبیعت پہلے سے بہتر تھی، مگر ابھی ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ اُسے مزید دو دن ہسپتال میں رکھیں۔ شام ہوئی تو منورہ بیگم گھر روانہ ہوئیں۔ اپنی گلی میں انہیں ایک جگہ لوگوں کا ہجوم نظر آیا۔ تجسس کے مارے وہ بھی اس طرف بڑھیں تو انہیں علم ہوا کہ کچھ دیر پہلے موٹر سائیکل پر سوار دو نوجوان ایک خاتون کا پرس چھین کر بھاگ گئے ہیں۔ لوگ اپنی اپنی رائے پیش کر رہے تھے اور وہ خاتون حواس باختہ سی فٹ پاتھ پر کھڑی تھی۔ منورہ بیگم نے آگے

WWW.PAKSOCIETY.COM

بڑھ کر اس کا بازو تھاما۔

''آؤ بیٹی! قریب ہی میرا گھر ہے کچھ دیر آرام سے بیٹھو، سکون کا سانس لو۔'' وہ خاتون خاموشی سے ان کے ساتھ چل دی۔

گھر پہنچ کر منورہ بیگم نے اس عورت کو پانی پلایا اور تسلی دی۔ وہ عورت بیش قیمت لباس اور زیور پہنے ہوئے تھی۔ اس نے اپنا نام نام عائشہ بتایا۔

''میں یہاں اپنی سہیلی سے ملنے آئی تھی، ڈرائیور گاڑی واپس لے گیا میں نے کہا تھا کہ جب فارغ ہوں گی تو فون کر کے اسے بلا لوں گی، مگر سہیلی تو گھر پر ملی نہیں، وہ بازار گئی ہوئی تھی کچھ دیر اس کی ساس کے پاس بیٹھی اور پھر اجازت لے کر اُٹھ آئی۔ فارغ تو تھی ہی اس لیے پھولوں کی نمائش پر جانے کا ارادہ بن گیا۔ میں ٹیکسی یا رکشے کے انتظار میں کھڑی تھی کہ اچانک دو نوجوان موٹر سائیکل پر تیزی سے آئے اور آناً فاناً میرا پرس چھین کر فرار ہو گئے۔ مجھ سے تو چیخا بھی نہیں گیا۔''

''کیا زیادہ رقم تھی پرس میں؟'' منورہ بیگم کو افسوس ہوا۔

''شکر ہے زیادہ رقم نہیں تھی پرس میں، مگر میرا موبائل بھی اسی میں تھا۔'' وہ بے چارگی سے بولی۔

''بیٹی! تم پریشان نہ ہو اللہ کا شکر ہے کہ جان محفوظ رہی۔ یہ ٹیلی فون رکھا ہے تم اپنے ڈرائیور یا شوہر کو فون کر کے صورت حال بتا دو تاکہ وہ آ کر تمہیں لے جائیں۔'' انہوں نے کونے میں میز پر دھرے ٹیلی فون کی طرف اشارہ کیا۔

''آپ کا بہت شکریہ آنٹی۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھی اور نمبر ملانے لگی۔ ڈرائیور کو اس گھر کا پتہ بتا کر وہ مطمئن ہو کر بیٹھ گئی۔ منورہ بیگم نے اسے زبردستی چائے بھی پلائی اور آج صبح کا واقعہ بھی سنایا اور پھر اشرف ہی کی بات دہرائی۔

''اگر تم کسی کی مدد کر سکتی ہو تو ضرور کرنا، اخلاقی، مالی، عملی کسی بھی طرح سے، یہ مبارک سلسلہ رکنا نہیں چاہیے۔''

''میں ان شاء اللہ پوری کوشش کروں گی۔ آپ کے لیے تو میرے دل سے دُعائیں نکل رہی ہیں، میں تو وہاں سڑک پر بے یارو مددگار کھڑی تھی، کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا افتاد ٹوٹ پڑی۔ آپ کی مہربانی کہ آپ مجھے اپنے گھر لے آئیں۔''

اسی دوران عائشہ کا ڈرائیور پہنچ گیا۔ عائشہ نے ایک کاغذ پر منورہ بیگم کو اپنے گھر کا پتہ لکھ کر دیا اور آنے کے لیے اصرار کرتے ہوئے وہاں سے روانہ ہو گئی۔

''لو بیٹے اشرف! میں نے تمہارا احسان اتار دیا۔'' منورہ بیگم نے خود کلامی کی۔

☆.....☆.....☆

عائشہ گھر پہنچی تو ملازم نے بتایا کہ ان کی درزن سلائی شدہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

کپڑے لے کر آئی تھی۔ وہ کل دوبارہ آئے گی اُسے آپ سے کوئی ضروری کام تھا۔

''کیا کام تھا؟''
عائشہ نے پوچھا۔

''شاید اسے پیسوں کی ضرورت ہے۔''
ملازم نے جواب دیا۔ ''اس کے بیٹے کا آپریشن ہونا ہے۔''

عائشہ کو فوراً منورہ بیگم سے کیا وعدہ یاد آ گیا۔

''ٹھیک ہے میں کل اس سے مل لوں گی۔''

اگلے دن درزن آئی تو عائشہ نے ہم دردی سے اس سے پوچھا:

''زبیدہ! کل افضل بتا رہا تھا کہ تمہارا بیٹا بیمار ہے، کیا ہوا ہے اُسے؟''

عائشہ کی ہم دردی پا کر زبیدہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''اس کے پیٹ میں رسولی ہے، ڈاکٹر نے آپریشن کروانے کا کہا ہے، اس کے بعد ہی فیصلہ ہو گا کہ یہ عام رسولی ہے یا خدانخواستہ کینسر ہے، ہمارے پاس علاج کے لیے رقم نہیں ہے، میں کل آپ سے کچھ پیسے ادھار لینے آئی تھی، میرے شوہر نے آفس اور کچھ دوستوں سے قرض لیا ہے، مگر ابھی تک رقم پوری نہیں ہو سکی۔''

عائشہ کے پوچھنے پر زبیدہ نے مطلوبہ رقم بتائی تو عائشہ خاموشی سے اٹھ کر اندر اپنے کمرے میں گئی۔ زبیدہ کی بتائی ہوئی رقم اس کے لیے بہت معمولی تھی۔ اس کے شوہر کی دو فیکٹریاں تھیں۔ عائشہ ایک چیک زبیدہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی:

''یہ ادھار نہیں ہے اس لیے واپسی کی فکر مت کرنا اور اس کے علاوہ بھی بیٹے کے علاج کے لیے مزید رقم کی ضرورت ہو تو **بلا جھجک آ جانا۔**''

زبیدہ بے یقینی سے چیک پر درج رقم کو تک رہی تھی۔ اس سے کچھ بولا ہی نہ گیا۔ ''اور ہاں یہ میرا تم پر احسان نہیں ہے بلکہ جب تم کسی کی مدد کر سکتی ہو تو ضرور کرنا، اخلاقی، مالی یا عملی کسی بھی طرح سے، یہ مبارک سلسلہ رُکنا نہیں چاہیے۔''

''بہت شکریہ بیگم صاحبہ!'' زبیدہ اٹھی، میں ایسا ہی کروں گی۔''

شام کو جیسے ہی زبیدہ کا شوہر گھر پہنچا وہ اسے خوش خبری سنانے کے لیے دوڑی۔

''اشرف، اشرف، اللہ نے ہماری سن لی، اللہ نے ہماری مدد فرما دی، یہ دیکھو۔'' اس نے چیک اشرف کی طرف بڑھایا، اس کی آنکھیں بھی دھندلا گئیں۔

''یہ عائشہ بی بی نے دیا ہے اور وہ کہہ رہی تھیں کہ جب تمہیں محسوس ہو کہ تم کسی کی مدد کر سکتی ہو تو ضرور کرنا۔'' اشرف چونکا۔ یہ تو اس کا جملہ تھا جو وہ دُوسروں کی مدد کرتے وقت کہتا تھا۔ آج اللہ نے بھی مشکل میں اسے تنہا نہ چھوڑا تھا۔

(مرکزی خیال ماخوذ)

☆......☆......☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

قاتل گیند

محمد علی اظہر

کرکٹ پُرامن ماحول میں کھیلا جانے والا دُنیا کا دُوسرا مقبول ترین کھیل ہے۔ اس کھیل میں فٹ بال اور دیگر خطرناک مقابلوں کی طرح خون خرابہ یا ہنگامہ آرائی تو نہیں ہوتی، لیکن کھیل ہی کھیل میں نقصان ہونا کوئی انہونی بات نہیں ہے۔ کرکٹ کی تاریخ میں کچھ ایسے واقعات رونما ہو چکے ہیں، جس کے باعث کئی زندگیوں کے چراغ گل ہوئے۔ کرکٹ کی ہارڈ بال ایمپائر سمیت 4 کھلاڑیوں کی جان لے چکی ہے۔ کارک اور چمڑے سے بنی سخت گیند کا شکار ہونے والے کھلاڑیوں میں پاکستان کے سابق فرسٹ کلاس کرکٹر عبدالعزیز، بھارتی بلے باز رمن لامبا، انگلش کھلاڑی جارج ثمرز اور ایان فولے شامل ہیں۔ جب کہ برطانیہ ہی سے تعلق رکھنے والے ایمپائر Alcwyn jenkins بھی میچ کے دوران گیند لگنے سے دُنیا سے رخصت ہوئے۔ 1959ء میں قائداعظم ٹرافی کے فائنل میں ایک افسوس ناک واقعہ پیش آیا۔ جس کے نتیجے میں پاکستان کرکٹر عبدالعزیز جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ وکٹ کیپر اور بلے باز حادثے میں ہلاک ہونے والے سب سے کم عمر کھلاڑی ہیں۔ کیوں کہ اس وقت ان کی عمر صرف 18 برس تھی۔ تفصیلات کے مطابق پاکستان کمبائنڈ سروسز کے خلاف کراچی کی طرف سے کھیلے گئے میچ میں عبدالعزیز بیٹنگ کر رہے تھے کہ اسپنر دل دار آوان کی سلوگیند ان کے دل پر لگی۔ یہ ان کے انتہائی مختصر کیریئر کی آخری گیند ثابت ہوئی۔ کیوں کہ وہ اگلی بال کھیلنے سے پہلے ہی گراؤنڈ میں گر گئے تھے۔ ہسپتال لے جاتے ہوئے سابق ٹیسٹ کرکٹر کی حرکت قلب بند ہوگئی۔ عام طور پر بلے باز دُوسری اننگ میں نہ کھیلے تو اسے Absent یعنی غیر حاضر لکھا جاتا ہے، لیکن 8 فرسٹ کلاس میچوں میں 149 رنز بنانے والے عبدالعزیز کی الم ناک موت کے بعد سکور کارڈ پر Death Absent لکھا کیا گیا تھا۔

کرکٹ کی تاریخ میں بھارتی کھلاڑی رمن لامبا کی موت بھی ناقابل یقین حادثہ ہے۔ 38 سالہ رمن لامبا ڈھاکہ میں ایک لیگ میچ کے دوران شارٹ لیگ پر فیلڈنگ کرتے ہوئے گیند لگنے سے شدید زخمی ہو گئے تھے۔ بنگلہ بندھو اسٹیڈیم میں بلے باز مہراب حسین نے زوردار شارٹ کھیلی اور تیز رفتار گیند فیلڈ پر موجود سابق بھارتی کھلاڑی کی کنپٹی پر لگنے کے بعد اڑتی ہوئی وکٹ کیپر خالد مشہود کی طرف چلی گئی۔ وکٹ کے نزدیک کھڑے ہوئے رمن لامبا

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے اس وقت ہیلمٹ نہیں پہنا ہوا تھا۔ تعجب کی بات یہ بھی ہے کہ رمن لامبا خود چل کر ڈریسنگ روم گئے۔ جب کہ فیلڈنگ کے لیے میدان میں آنے والے سابق بنگلہ دیشی کپتان محمد امین السلام نے پوچھا کہ تم ٹھیک ہو، تو اس کے جواب میں زخمی بھارتی کرکٹر نے کہا:

''بلبل میں تو مر گیا۔''

اندرونی طور پر اخراجِ خون کی وجہ سے انہیں ادارہ برائے پوسٹ گریجویٹ میڈیسن اور ریسرچ منتقل کیا گیا، لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ بھارت کی طرف سے 4 ٹیسٹ اور 32 ون ڈے میچ کھیلنے والے رمن لامبا صرف تین روز بعد 23 فروری 1998ء کو ڈھاکا کے اسی ہسپتال میں دم توڑ گئے تھے۔

کرکٹ کے میدان میں سب سے پہلی موت 1870ء میں ہوئی تھی۔ لارڈز کے تاریخی اسٹیڈیم میں نوٹنگھم شائر کی طرف سے بیٹنگ کرنے والے انگلش بلے باز جارج ثمرز اس وقت کے فاسٹ بالر جان پلیٹس کی تیز رفتار گیند لگنے سے زخمی ہو گئے تھے۔ اس واقعے کے بعد 25 سالہ انگلش کھلاڑی کو ہسپتال اس لیے نہیں لے جایا گیا کیوں کہ زخم ظاہری طور پر معمولی سا لگا تھا۔ فرسٹ کلاس کیریئر میں 15 نصف سنچریاں بنانے والے جارج ثمرز زخمی حالت میں ٹرین کا سفر کر کے اپنے آبائی شہر نوٹنگھم پہنچ گئے تھے۔ جہاں چار روز بعد یعنی 19 جون 1870ء کو حرکت قلب بند ہونے کے سبب ان کی موت واقع ہو گئی تھی۔ اسی طرح انگلینڈ سے تعلق رکھنے والے ایک اور فرسٹ کلاس کرکٹر ایان فولے بھی کرکٹ کی جان لیوا ہارڈ بال کا شکار ہو گئے تھے۔ لینسیشائر کے آل راؤنڈ 30 اگست 1993ء کو چہرے پر گیند لگنے کے باعث ہسپتال میں علاج کے دوران زندگی کی بازی ہار گئے تھے۔ 2009ء میں کرکٹ گراؤنڈ میں پہلی مرتبہ کسی ایمپائر کی موت واقع ہوئی۔ کلب میچ میں ایمپائرنگ کرنے والے 72 سالہ Alcwyn jenkins فیلڈر کی طرف سے پھینکی جانے والی گیند سر پر لگنے سے موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے تھے۔ ڈیلی میل کے مطابق انگلش ایمپائر کی نظر کمزور تھی، جس کی وجہ سے وہ باؤنڈری لائن سے وکٹ کی طرف آنے والی گیند کو دیکھ نہیں سکے تھے۔

☆.....☆.....☆

نئی ایجاد

خود بخود صاف ہونے والے خود کار سوتی کپڑے کی تیاری کے لیے چینی ماہرین کی کوششیں بار آور ثابت ہو رہی ہیں۔ ان ماہرین نے مختلف کیمیکلز پر مشتمل ایک ایسا مرکب تیار کر لیا ہے، جس کی تہہ اگر سوتی دھاگے پر چڑھائی جائے تو اس سے بنائے جانے والا کپڑا خود بخود داغ دھبوں کو تحلیل کر دے گا اور دھوپ میں پھیلانے سے ان کی بدبو بھی رفع ہو جائے گی۔ محققین کے مطابق یہ طریقہ سستا، غیر سمی یعنی زہریلے اثرات سے پاک اور ماحولیاتی اعتبار سے بہتر ہے۔ توقع ہے کہ یہ ایجاد لوگوں میں مقبول ہوگی۔

اس دریافت کا سہرا چین کی یونی ورسٹی شنگھائی جیاؤ تونگ کے سر ہے۔ اس تحقیق میں ایک کیمیکل Titaniumdioxide کو تحقیق کا مرکز بنایا گیا ہے۔ یہ کیمیکل نجاست یا گندگی کو کاٹنے کے لیے مشہور ہے اور از خود صاف ہونے والی کھڑکیوں کے شیشوں، بو یا باس سے پاک جرابوں، باورچی خانوں اور غسل خانوں کے ٹائیلوں میں پہلے ہی استعمال ہو رہا ہے۔ اب اس کے استعمال کو سوتی کپڑوں تک بڑھایا گیا۔ تاہم اس میں پریشانی یہ تھی کہ سورج کی بنفشی شعاعیں اس کیمیکل کے خواص میں کمی کر دیتی تھیں اور جس کپڑے پر اس کی تہہ چڑھی ہوتی تھیں وہ روزانہ استعمال کے قابل نہیں رہتا تھا۔ اس مشکل کو محققین نے اس کیمیکل میں نائٹروجن اور دیگر دو کیمیکلز کو ملا کر اور ان سے ایک مرکب تیار کر کے حل کیا۔ اس مرکب میں کپڑے کے دھاگوں کو بھگو کر خشک کیا گیا۔ پھر اسے تیز گرم پانی میں ڈبویا گیا بعد ازاں اسے سلور آئیوڈائڈ کے کیمیائی عمل سے گزارا گیا۔

اپنی ایجاد کو ٹیسٹ کرنے کے لیے محققین و ماہرین نے تہہ چڑھے ہوئے سوتی دھاگوں پر گہرے نارنجی رنگ کے داغ لگائے اور انہیں تیز دھوپ میں رکھا۔ دھوپ میں رکھنے کے بعد محققین نے دیکھا کہ دو گھنٹے میں ڈرامائی طور پر داغ غائب ہو چکے تھے۔ اس تجربے کو دہرایا گیا مگر نتائج وہی رہے اور مسلسل دھونے اور سکھانے سے تہہ چڑھے سوتی دھاگے پر کوئی فرق نہیں پڑا۔

(روبینہ شاہین، لاہور)

WWW.PAKSOCIETY.COM

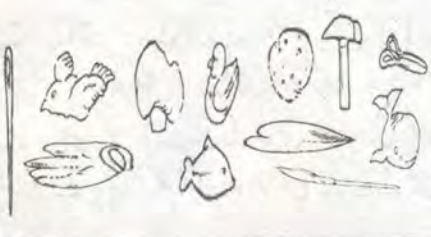

اوجھل خاکے

یہ چیزیں خاکے میں چھپی ہوئی ہیں۔ آپ ان چیزوں کو تلاش کیجیے اور شاباش لیجیے۔

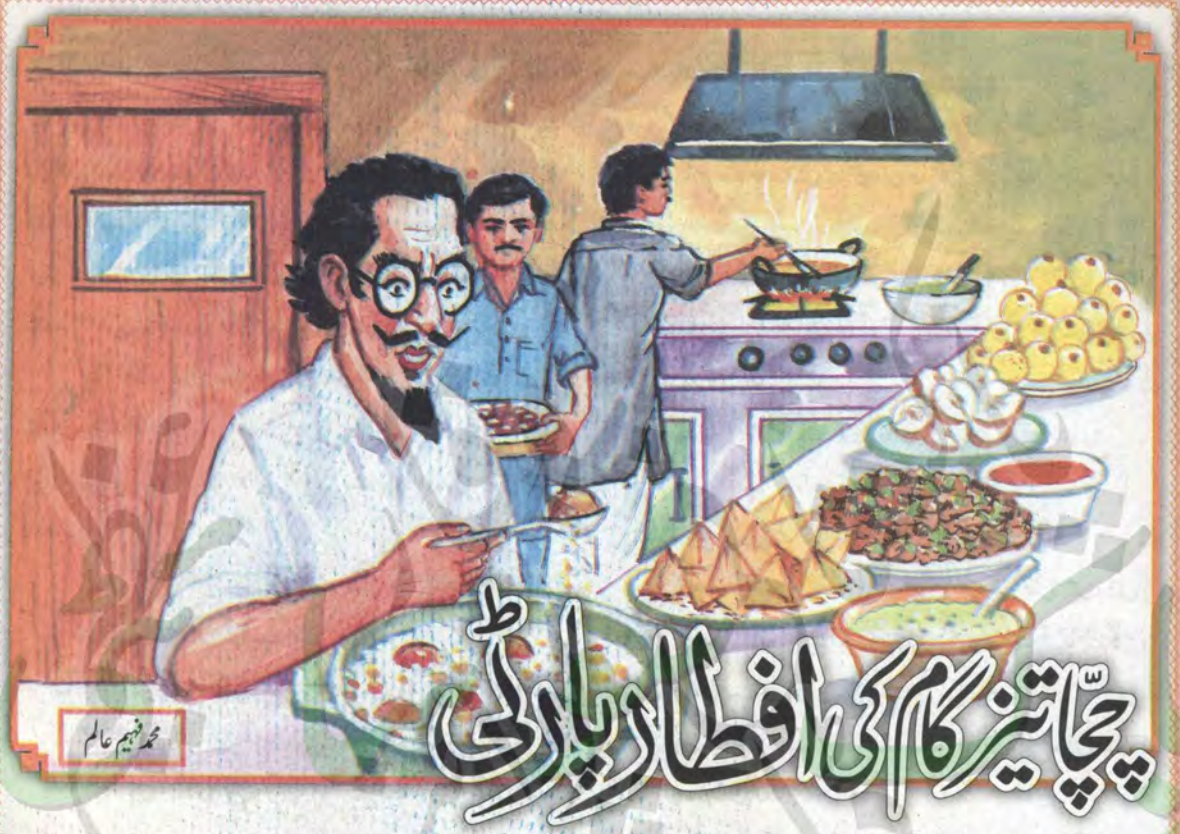

چچا تیز گام کی افطار پارٹی

محمد فہیم عالم

''یہ کیا.....!!! میں نے تمہیں پکوڑیاں لانے کو کہنا تھا۔ اور تم یہ نمکو اٹھا لائے ہو.....''

جمن جیسے ہی جھومتا ہوا ہاتھ میں پکوڑیوں کا لفافہ پکڑے گھر میں داخل ہوا تو چچا تیز گام دیکھتے ہی اُس پر برس پڑے۔

''مم..... مالک! یہ پکوڑیاں ہی تو ہیں۔''

''یہ اور پکوڑیاں..... دماغ تو نہیں چل گیا تمہارا۔'' چچا تیز گام نے آنکھیں نکالیں۔

''وہ..... مم..... مالک..... یہ..... وہ..... یہ..... پکوڑیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔'' جمن بولا۔

''اچھا تو تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ ہمیں پکوڑیوں کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔ ارے ہمارے دادا جان کی تو دہلی کے چاندنی چوک میں بہت بڑی دُکان تھی وہی بڑے کی، ان پکوڑیوں سے تو گویا ہمارا خاندانی تعلق ہے۔'' چچا تیز گام فخر سے سینہ پھلاتے ہوئے بولے۔

''لیکن مالک! آپ تو کہا کرتے ہیں کہ آپ کے دادا ایک بہت بڑی ریاست کے نواب تھے۔'' جمن کے لہجے میں حیرت تھی۔

''اوہو..... بھئی وہ وہی بڑے والے نواب تھے، میرا مطلب ہے اُن کا دہی بڑے کا کاروبار تھا۔ ارے تم نے تو مجھے باتوں میں لگا لیا ہے، جاؤ جا کر یہ نمکو واپس کر کے آؤ۔'' چچا تیز گام بولے۔

''مالک! میں سچ کہہ رہا ہوں، یہ پکوڑیاں ہی ہیں۔ یہ پھول کر موٹی اور بڑی تب ہوں گی جب ان کو پانی میں.....''

چچا تیز گام جمن کی بات کاٹتے ہوئے بولے۔

''بس..... بس اب ہمیں زیادہ سبق نہ پڑھاؤ۔ ہمیں معلوم ہے اب ہم اتنے بھی گئے گزرے نہیں ہیں کہ ہمیں اتنی سی بات معلوم نہ ہو..... تم ان کو دیگچی میں ڈال کر چولہے پر رکھ دو..... ہم ان کو اُبالتے ہیں اور تم دہی بڑے کے لیے سلاد بناؤ۔''

''مالک پکوڑیوں کو اُبالتے نہیں ہیں۔''

''میں نے جیسا کہا ہے ویسا ہی کرو..... سنا نہیں تم نے.....''

چچا تیز گام نے کھا جانے والی نظروں سے جمن کو گھورا تو جمن نے بے چارگی سے سر ہلا کر پکوڑیاں دیگچی میں ڈالیں اور پانی ڈال کر چولہے پر رکھ دیں۔ چچا تیز گام چولہے کے پاس بیٹھ کر انہیں اُبالنے لگے۔ وہ چوٹی سے ایڑی تک پسینے میں شرابور تھے۔ ایک تو چولہے کی گرمی دُوسرا لائٹ بھی گئی ہوئی تھی، لیکن وہ ان سب باتوں سے بے نیاز پکوڑیاں اُبالنے میں مگن تھے۔ اور وہ مگن ہوتے بھی

کیوں نا، آخر انہوں نے آج اپنے دوستوں کی افطار پارٹی کی تھی۔ یہ پارٹی انہوں نے کی نہیں تھی بل کہ زبردستی چچا تیز گام کے دوستوں نے اُن سے لی تھی۔ رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہو چکا تھا۔ روزے تو خیر چچا تیز گام کیا رکھتے البتہ وہ اپنے دوستوں گلو میاں اور پہلوان جی کے ساتھ مل کر افطار پارٹیاں خوب اڑا رہے تھے۔ انیسویں رمضان کو کوئی افطار پارٹی نہیں تھی۔

''یار! افطار پارٹی کے بغیر بھی بھلا زندگی کا کوئی مزہ ہے۔ پہلوان جی! تم اپنے گھر افطار پارٹی کیوں نہیں رکھ لیتے؟'' گلو میاں نے یہ کہتے ہوئے سوالیہ نظروں سے پہلوان جی کی طرف دیکھا۔

''میری بیگم بیمار ہیں، اس لیے میرے لیے افطاری کا انتظام کرنا ممکن نہیں۔'' پہلوان جی نے کہا۔

''تو پھر چچا آپ آج افطاری پارٹی کر دیں۔'' گلو کی بات سن کر چچا تیز گام نے فوراً کہا۔

''ہاں، ہاں، کیوں نہیں، آج شام میرے ہاں آ جاؤ افطار پارٹی پر۔''

یہ سن کر پہلوان جی اور گلو خوش ہو گئے۔ چچا وہاں سے رخصت ہو کر گھر کی طرف چلے تو انہیں اپنے پڑوسی سعید قاسم اور وقاص ایوب نظر آ گئے۔

''آپ کہاں سے آ رہے ہیں؟'' سعید قاسم نے پوچھا۔

''وہ ہم پہلوان جی کی طرف سے آ رہے ہیں، وہ شام کو افطار پارٹی ہے ہمارے گھر میں، آپ سب کو دعوتِ افطار پارٹی ہے، آپ نے ضرور آنا ہے۔''

''ہم ضرور آئیں گے۔'' وقاص ایوب نے کہا۔

''میں آپ سب کا انتظار کروں گا۔'' چچا تیز گام بولے۔

اُن سے فارغ ہو کہ جیسے ہی چچا تیز گام گھر میں داخل ہوئے۔ استاد شیر کی طرح ان کی طرف لپکا۔

''مالک! بیگم چلی گئی ہیں۔''

''بیگم کہاں چلی گئی ہیں؟'' چچا تیز گام چلائے۔

''اپنی خالہ کے گھر، جو رحمت نگر میں رہتی ہیں۔ وہ صبح سے آپ کا انتظار کر رہی تھیں۔ آپ بھی اُن کے ساتھ چلے جاتے، لیکن آپ پتہ نہیں کہاں تھے۔ آخر تنگ آ کر وہ چلی گئیں۔''

استاد تفصیل بتاتے ہوئے بولا۔

''اب کیا ہو گا؟'' چچا تیز گام نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ بیگم کے جانے کی خبر سن اُن کو اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''کیوں مالک!..... کیا ہوا؟''

''ہونا کیا ہے، ہم نے تو آج اپنے دوستوں کو گھر میں افطار پارٹی دے رکھی ہے۔''

''کیا!!'' استاد چلایا۔

''اور..... آپ..... اب بتا رہے ہیں۔'' جمن بولا۔

''تو کیا سال پہلے بتاتا، پروگرام ہی ابھی بنا ہے۔''

''لیکن..... اب کیا ہو گا..... بیگم بھی گھر میں نہیں ہیں، اس طرح تو سب دوستوں کے سامنے میری سبکی ہو گی۔'' چچا تیز گام پریشان ہو کر بولے۔

''مالک! ایسا کرتے ہیں بازار سے افطاری کا سامان لے آتے ہیں۔'' جمن نے مشورہ دیا۔

''تمہارا مطلب ہے ہم بازاری چیزیں اپنے دوستوں کو کھلائیں۔'' چچا تیز گام کے جھڑکنے پر بے چارہ جمن اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

''جمن! یہ لو پیسے اور پکوڑیاں لے آؤ۔ اور سلاد کا سامان اور دہی بھی لیتے آنا، استاد! تم جاؤ روشن ٹینٹ والے سے ایک ٹب اور ماجھو برف والے سے برف کا ایک بلاک لے آؤ، دیر مت کرنا جلدی آنا۔'' چچا تیز گام اُن کو ہدایات دیتے ہوئے بولے۔

ابھی کچھ ہی دیر پہلے جمن کی واپسی ہوئی تھی۔ استاد بھی ٹب اور برف لے آیا تھا۔ اور چچا تیز گام کے کہنے پر شربت بنانے میں مصروف تھا۔ چچا تیز گام نے ایک دو مرتبہ ڈھکن اٹھا کر پکوڑیوں کو دیکھا، لیکن پکوڑیاں تھیں کہ اُبلنے ہی میں نہیں آ رہی تھیں۔ آخر تنگ آ کر چچا تیز گام نے چولہے کی آنچ تیز کی اور باورچی خانے سے باہر آ گئے۔

صحن میں استاد شربت بنانے میں مصروف تھا۔

''مالک! شربت تیار ہے۔'' استاد نے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے، تم جاؤ چولہے پر جو پکوڑیاں اُبل رہی ہیں جب وہ ابل جائیں تو جمن کے ساتھ مل کر دہی بڑے بنا لو۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM

پھر چچا شربت کے ٹب کی طرف بڑھے۔ ٹب کے ساتھ نمک کا ڈبہ پڑا تھا۔ چچا تیزگام سمجھے کہ استاد نے ابھی شربت میں نمک نہیں ڈالا۔ شربت میں چینی کے ساتھ نمک بھی ملایا جائے تو ذائقہ اچھا ہو جاتا ہے۔ یہ سوچ کر انہوں نے شربت میں نمک ملا دیا۔

''جمن..... استاد..... ارے کہاں مر گئے ہو تم دونوں.....''

اچانک چچا تیزگام کو پتہ نہیں کیا سوجھی وہ زور زور سے چلّانے لگے۔

''جی مالک..... جی۔'' جمن اور استاد دوڑتے ہوئے آئے۔

''جی مالک کے بچو..... پکوڑے، سموسے اور پھل تو رہ ہی گئے۔ ہم بازار سے یہ سب چیزیں لینے جا رہے ہیں۔ تب تک تم دہی بڑے بنا لو.....'' پھر چچا تیزگام بھاگم بھاگ بازار پہنچے۔ کیوں کہ افطاری کا وقت ہونے ہی والا تھا۔ انہوں نے جلدی جلدی پھل خریدے اور ایک تھیلے میں انہیں ڈال کر شبراتی حلوائی کی دُکان پر پہنچے۔ وہاں سے انہوں نے سموسے اور پکوڑے خریدے۔ کچھ دیر بعد وہ سامان لے کر گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

چچا تیزگام اپنے علاقے کی مشہور و معروف شخصیت ہیں۔ انہیں راستے میں جو بھی ملتا رہا وہ اُسے افطاری کی دعوت دیتے گئے۔ یوں گھر پہنچتے پہنچتے وہ بہت سے لوگوں کو افطار پارٹی میں آنے کی دعوت دے چکے تھے۔ وہ ابھی راستے ہی میں تھے کہ اچانک ان کو یاد آیا کہ رائتہ کے لیے پودینہ تو انہوں نے لیا ہی نہیں۔ وہ مجبوراً واپس پلٹے۔ اور عبدل سبزی والے کی دُکان پر پہنچے، وہاں کافی رش تھا۔ چچا تیزگام نے جلدی جلدی پودینہ لیا اور تھیلا سر پر رکھ کر پھر گھر کی طرف چل پڑے۔ کچھ دیر بعد وہ ہانپتے کانپتے گھر پہنچے تو جمن نے ایک بڑا سا دیگچہ چولہے پر چڑھا رکھا تھا۔

''مالک! میں نے سوچا آپ کے دوست افطاری کے بعد کھانا بھی تو کھائیں گے۔ اس لیے میں مٹر پلاؤ پکا رہا ہوں۔''

اس سے پہلے کہ چچا تیزگام جمن سے پوچھتے وہ خود ہی بول پڑا۔

''واہ بھئی واہ..... جمن بہت خوب..... تم نے تو کمال کر دیا۔'' چچا تیزگام خوش ہو کر بولے۔

''شکریہ مالک، بہت شکریہ۔'' جمن بولا۔

''اب ذرا جلدی سے دستر خوان بچھا دو۔ مہمان آنے ہی والے ہیں۔'' ابھی وہ یہ کہہ ہی رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

''لو بھئی مہمان آ گئے ہیں۔''

تھوڑی دیر میں صحن مہمانوں سے بھر گیا۔ جمن اور استاد نے افطاری کا سامان میزوں پر رکھنا شروع کر دیا۔

''ارے جمن! وہ پھل بھی تو لاؤ مہمانوں کے لیے جو ہم ابھی ابھی لائے ہیں۔ اور استاد! وہ دہی بڑے بھی لے آؤ بھئی جو ہم نے خود اپنے ہاتھوں سے مہمانوں کے لیے بنائے ہیں۔'' چچا تیزگام زور سے بولے۔

''بھابھی جان کہاں گئی ہیں؟ جو تم نے دہی بڑے بنائے ہیں۔'' پہلوان جی نے پوچھا۔

''وہ اپنی خالہ کے گھر گئی ہیں۔ لاؤ..... لاؤ..... استاد ایک ڈونگا یہاں رکھ دو۔'' چچا تیزگام بولے۔ استاد نے اثبات میں سر ہلایا اور ڈونگا ان کی بتائی ہوئی جگہ پر رکھ دیا۔ اتنے میں جمن نے آ کر چچا تیزگام کے کان میں سرگوشی کی۔

''اس تھیلے میں پھل ہے ہی نہیں، ان میں تو سبزیاں ہیں۔''

''کیا! یہ تم کیا بک رہے۔ بھلا پھل، سبزیاں کیسے بن گئے ہیں؟'' چاہتے ہوئے بھی چچا تیزگام اپنی آواز پر قابو نہ رکھ سکے۔

''تیزگام کیا ہوا ہے؟'' پہلوان جی نے پوچھا۔

''ارے بھیا ہمارے پھل سبزی بن گئے ہیں، ابھی کچھ دیر پہلے ہی میں پھل لے کر آیا تھا۔ نہ جانے بڑے بڑے کیسے وہ سبزی بن گئے ہیں۔'' چچا تیزگام کے لہجے میں حیرت تھی۔

''چلو کوئی بات نہیں۔'' افطاری کے لیے پھلوں کا ہونا ضروری تو نہیں، کھجور تو ہے، بس اُسی سے روزہ افطار کرتے ہیں۔'' گلو میاں بولے۔

کچھ دیر بعد افطاری کا وقت ہو گیا۔ سب مہمان کھجور سے روزہ افطار کرنے لگے۔

''بھئی میں تو شربت سے افطاری کروں گا۔ مارے پیاس سے حلق سوکھا جا رہا ہوں۔'' سعید قاسم نے کہا۔

''ہاں..... ہاں..... کیوں نہیں، یہ لو شربت۔'' چچا تیزگام نے شربت کا گلاس سعید قاسم کی طرف بڑھایا۔

''آ..... تھو.....'' جیسے ہی سعید قاسم نے شربت کا گھونٹ بھرا

WWW.PAKSOCIETY.COM

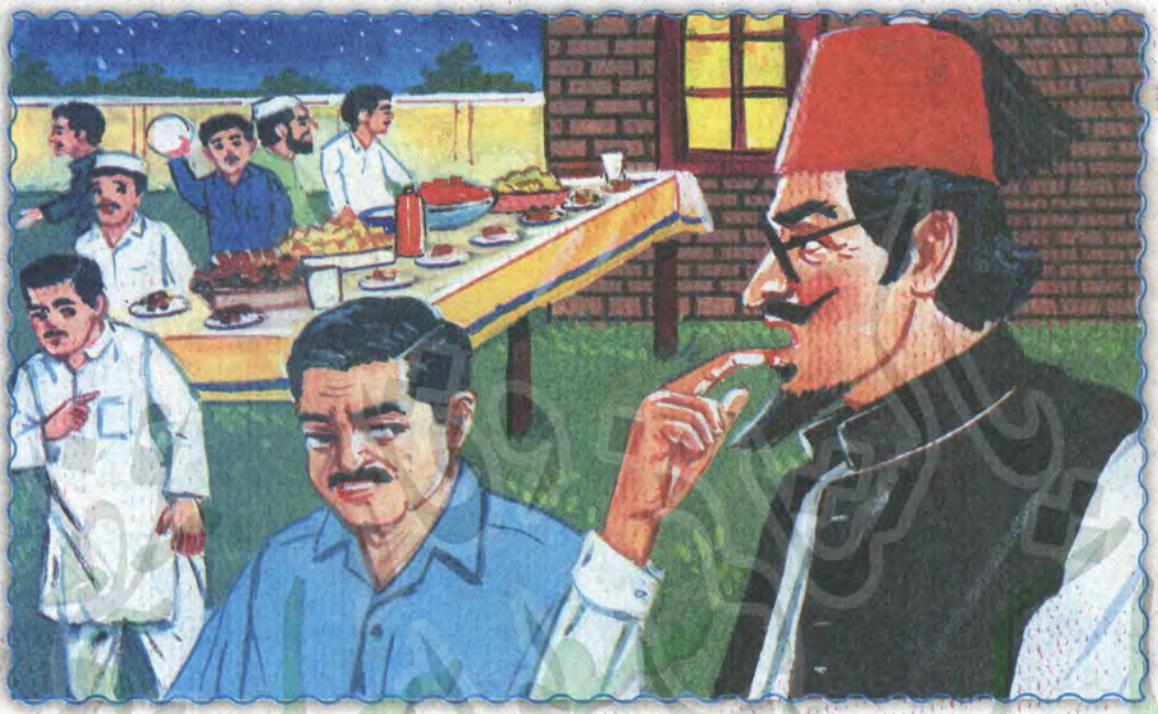

تو انہوں نے شربت فوراً تھوک دیا۔ پھر سب لوگ شربت کی لپکے۔

''اتنا تیز نمک.....'' پہلوان جی چلّائے۔

''ہم نے تو تھوڑا سا نمک ڈالا تھا۔'' چچا تیز گام کی بات سن کر استاد نے کہا۔

''مالک! کیا آپ نے بھی شربت میں نمک ڈالا تھا؟''

''ہاں میں نے شربت میں نمک ڈالا تھا۔''

''اور میں نے بھی ایسا کیا تھا۔'' استاد بولا۔

یہ سن کر چچا تیز گام اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

''ارے تیز گام! یہ تم نے کس قسم کی کڑھی پکائی ہے۔'' ایک مہمان نے دہی بڑے کے ڈونگے کا ڈھکن اٹھاتے ہوئے حیرت سے کہا۔

''کڑھی، یہ تو دہی بڑے ہیں۔''

چچا تیز گام یہ کہہ کر غور سے دہی بڑے دیکھنے لگے۔

''کم بختو! یہ تم نے دہی بڑے بنائے ہیں۔'' چچا تیز گام نے جمن اور استاد کو ڈانٹا۔

''آپ نے خود ہی کہا تھا کہ پکوڑیاں اُبال کر دہی بڑے بنانے ہیں، اُبلنے کے بعد تو پکوڑیوں کی یہی حالت ہوتی ہے۔'' جمن کی یہ بات سن کر سب مہمان عجب نظروں سے چچا تیز گام کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر اچانک ایک مہمان چلّایا۔

''بھائیو! بھاگو یہاں سے چچا تیز گام پتہ نہیں ہم سے کس بات کا بدلہ لے رہے ہیں۔'' یہ کہہ کر اُس نے دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔ پھر سب مہمانوں نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔

''ارے..... ارے..... ٹھہرو..... کہاں جا رہے ہیں آپ لوگ۔ ہم نے خود اپنے ہاتھوں سے تمہارے لیے مٹر پلاؤ پکایا ہے، وہ تو کھاتے جاؤ۔'' چچا تیز گام بولے۔

''بس اپنے پاس رکھو اپنا مٹر پلاؤ، جس کے جلنے کی بو ہمیں یہاں تک آ رہی ہے۔'' پہلوان جی جل کر بولے۔ کچھ دیر بعد صحن میں صرف چچا تیز گام، جمن اور استاد ہی کھڑے رہ گئے۔ اتنے میں عبدل سبزی والا ایک بڑا سا تھیلا اٹھائے گھر میں داخل ہوا۔

''ارے میاں تیز گام! اتنی تیزی بھی بھلا کس کام کی۔ تم اپنا تھیلا میری دُکان پر چھوڑ کر میرا سبزی کا تھیلا اٹھا لائے ہو۔''

''کیا!'' چچا تیز گام چلّائے۔

''جمن سب چیزیں یہاں لا کر رکھو۔ یہ سب چیزیں مہمانوں کی قسمت میں ہی نہیں تھیں تو ہم کیا کرتے۔'' چچا تیز گام بولے۔

کچھ دیر بعد وہ تینوں اُن چیزوں پر بل پڑے تھے۔

چچا تیز گام کو جہاں اس بات کا دکھ تھا کہ اب انہیں کوئی افطار پارٹی میں نہیں بلائے گا وہاں بیگم کا بھی خوف تھا۔ جن سے اُن کا سامنا کچھ دیر بعد ہونے والا تھا۔

ایفل ٹاور

ٹکٹ خرید کر کسی مقام کی سیر کرنے میں دُنیا بھر میں پہلا نمبر فرانس کے شہر پیرس میں ایفل ٹاور (EIFFEL TOWER) کا ہے۔ اس کی اُونچائی 320 میٹر (1050 فٹ) ہے۔ اس کی تعمیر 31 مارچ 1889ء کو مکمل ہوئی۔ فرانس کے لوگ اسے "LA TOUR EIFFEL" کہتے ہیں۔ انقلابِ فرانس کی تقریبات کے سلسلے میں قائم ہونے والے اس ٹاور کو 1930ء تک دُنیا کی بلند ترین عمارت کا درجہ حاصل رہا۔ یہ ٹاور تین منزلہ ہے۔ جس میں لوگوں کو لے جانے اور لانے کے لیے 9 لفٹیں نصب ہیں۔ اس ٹاور کا وزن 7300 ٹن ہے، لیکن اس آہنی ٹاور سے وابستہ غیر آہنی اشیاء کا وزن ملا کر یہ 10000 ٹن وزنی ہو جاتا ہے۔ اس میں 1660 سیڑھیاں ہیں۔ پہلی منزل پر 2 ریسٹورنٹ بھی قائم ہیں۔ ایفل ٹاور کا نقشہ دو انجینئروں M.KOECHLIN اور E.NOUGUIER نے بنایا تھا۔ جون 1902ء میں اس ٹاور پر آسمانی بجلی بھی گری تھی۔ ٹاور کے اُوپر انٹینا بھی نصب ہے جو ریڈیو نشریات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

پولو

پولو (POLO) یا چوگان کو بادشاہوں کا کھیل کہا جاتا ہے۔ اس میں گھوڑے پہ سوار دو ٹیمیں ایک دُوسرے کے خلاف گول کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ یہ کھیل روایتی طور پر 300 فرلانگ لمبے اور 160 فرلانگ چوڑے میدان میں کھیلا جاتا ہے۔ یہ کھیل دُنیا کے 16 ممالک میں مقبول ہے۔ یہ کھیل اولمپکس میں بھی شامل ہوا کرتا تھا۔ بنیادی طور پر یہ ایرانی کھیل ہے۔ جو فوجیوں کی تربیت اور جسمانی نشوونما کے لیے کھیلا جاتا تھا۔ ایران کے لوگ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت سے 500 برس قبل یہ کھیل کھیلا کرتے تھے۔ خسرو پرویز کے عہد میں اس کے کھیل کو خاصی پذیرائی حاصل ہوئی۔ شاعر

فردوسی نے بھی اپنے کلام میں اس کا ذکر کیا ہے۔ انارکلی میں سلطان قطب الدین ایبک کا مزار ہے جو 1210ء میں چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر وفات پا گیا تھا۔ اس کھیل میں ہر ٹیم میں 4 گھڑ سوار کھلاڑی ہوتے ہیں۔ اس کھیل کے لیے ایک ہیلمٹ ہمراہ فیس گارڈ، گھوڑا، اس پر زین، کھلاڑی کے گھٹنوں کے لیے پیڈز اور کھلاڑیوں کی وردی شامل ہوتی ہے۔ پولو میں گیند پہلے لکڑی کی استعمال ہوتی تھی۔ اب پلاسٹک کی بنی ہوتی ہے۔ جس پر چمڑا چڑھا ہوتا ہے۔ گیند کو مارنے کے لیے چھڑی کی لمبائی مختلف ہوتی ہے۔ اس کا انحصار گھوڑے کی اُونچائی پر ہے۔ پاکستان کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

علاقے شندور میں ہر برس پولو کے مقابلے ہوتے ہیں۔ شندور کا مطلب ہے ''گھر کا صحن،'' یہ دُنیا کا بلند ترین پولو میدان ہے جو سطح سمندر سے 12500 فٹ کی بلندی پر ہے۔

نمک

خوردنی نمک یا TABLE SALT ہمارے کھانوں کا اہم جزو ہے۔ اس کے بغیر زبان کو مزا نہیں آتا۔ عموماً اسے ROCK SALT بھی کہتے ہیں۔ اس کا کیمیائی فارمولا NACL ہے۔ یعنی یہ سوڈیم اور کلورائیڈ آئن کا بنا ہے۔ یہ چٹانی صورت میں سرخی مائل جب کہ پاؤڈر کی شکل میں سفید دکھائی دیتا ہے۔ ماضی میں لوگ اشیاء کو نمک لگا کر محفوظ کرتے تھے کیوں کہ اس پر جراثیم نشوونما نہیں پاتے۔ سمندری پانی سے بھی نمک حاصل کیا جاتا ہے، لیکن اس کا معیار چٹانی نمک سے کم ہوتا ہے۔ اب تو آیوڈین ملا نمک بھی مارکیٹ میں ملتا ہے تاکہ گلہڑ (GOITER) کی بیماری سے بچا جا سکے۔ اس بیماری میں حلق کے غدود بڑھ جاتے ہیں۔ گھروں میں آنے

والا نمک پیکٹ میں محفوظ ہوتا ہے اسے REFINED نمک کہا جاتا ہے۔ اس میں 97 سے 99 فی صد تک سوڈیم کلورائیڈ ہوتا ہے۔ ذہنی امراض کے علاج میں نمک کے ساتھ پوٹاشیم آیوڈائیڈ ملا دیا جاتا ہے۔ دانتوں کے لیے فلورائیڈ شامل کر دیا جاتا ہے۔ ایسا نمک سوڈیم فلورائیڈ کہلاتا ہے۔ اس میں 35 فی صد فلورائیڈ ہوتا ہے۔ ذہنی نشوونما کے لیے نمک میں آئرن کی آمیزش کر دی جاتی ہے۔ ایسا نمک FOR TIFIED SALT کہلاتا ہے۔ نمک زیادہ کھانے سے بلڈ پریشر اور پٹھوں کا کچھاؤ جیسے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ نمک کا ذکر الہامی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ یونانی اور قدیم مصری لوگ دیوتا کو خوش کرنے کے لیے نمک کے چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ ہمارے خون، پسینے اور آنسوؤں میں بھی نمک ہوتا ہے۔ شیشہ سازی، برتن سازی، کپڑوں کی رنگائی اور صابن کی تیاری میں بھی نمک استعمال ہوتا ہے۔ پاکستان میں کھیوڑہ کے علاقے سے چٹانی نمک حاصل کیا جاتا ہے۔ جیسے دُنیا کا بہترین ذائقے والا نمک تصور کیا جاتا ہے۔

نیل آرم سٹرانگ

20 جولائی 1969ء کو جس انسان کو چاند پر پہلا قدم رکھنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ اُس امریکن خلاباز کا نام NEIL ARMSTRONG ہے۔ وہ خلائی شٹل اپالو 11 کا مشن کمانڈر تھا۔ یہ اور اس کے ساتھ BUZZ ALDRIN خلا سے چاند پہ پہنچے۔ تیسرا خلا باز MICHAEL COLLINS شٹل (چاند گاڑی) میں بیٹھا رہا۔ نیل آرم سٹرانگ نے اپنے ساتھی کے ہمراہ

تقریباً اڑھائی گھنٹے تک چاند پر چہل قدمی کی۔ اس کارنامے پر اسے صدر نکسن نے صدارتی میڈل آف فریڈم سے نوازا تھا۔ نیل آرم سٹرانگ 5 اگست 1930ء کو پیدا ہوا۔ اس کا تعلق امریکی ریاست OHIO سے ہے۔ اسے خلا میں 8 دن، 14 گھنٹے، 12 منٹ اور 31 سیکنڈ گزارنے کا اعزاز حاصل ہے۔ 1958ء میں اس نے خلائی ہوا بازی کے شعبے میں ملازمت اختیار کی۔ 1962ء میں یہ خلائی ادارے NASA (ناسا) سے وابستہ ہو گیا۔ اس دوران وہ دو مرتبہ خلا میں گیا۔ پہلی بار GEMINI 8 مشن اور پھر اپالو 11 مشن پہ خلا میں پہنچا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

اللہ کے نام پر

بھکاری نے ایک فائیو اسٹار ہوٹل فون کیا: ''ایک پیزا، ایک پلیٹ بریانی، ایک بروسٹ، فش فرائی، مٹن ہانڈی، سلاد اور ایک رس ملائی بھیج دو۔''

ویٹر: ''کس کے نام پر؟''

بھکاری: ''اللہ کے نام پر بابا!'' (وقار اشرف، اسلام آباد)

بھائی چارہ

ایک بچے کو جب ''بھائی چارے'' کا جملہ بنانے کو کہا گیا تو اُس نے جملہ یوں بنایا۔

''جب کسی نے دودھ والے سے پوچھا کہ دودھ مہنگا ہو گیا ہے تو وہ بولا کہ بھائی چارہ بہت مہنگا ہو گیا ہے۔'' (اسامہ نذیر، اوکاڑہ)

خطوط

استاد: ''حامد! اُردو کی کتاب سے مرزا غالب کے خطوط پڑھو۔''

شاگرد: ''معاف کیجئے جناب، میں غالب کے خطوط نہیں پڑھوں گا۔''

استاد: (غصے سے) ''وہ کیوں؟''

شاگرد: ''جناب! دُوسروں کے خطوط پڑھنا بُری بات ہے۔''

(صباء ناز، گوجرانوالہ)

گھڑی

ڈاکٹر: ''کہیے جناب! دل کے آپریشن کے بعد آپ کی طبیعت کیسی ہے؟''

مریض: ''ڈاکٹر صاحب! یوں لگتا ہے کہ میرے سینے میں دو دل دھڑک رہے ہوں۔''

ڈاکٹر: ''اوہو! اب سمجھ میں آیا کہ میں اپنی گھڑی کہاں رکھ کر بھولا ہوں۔'' (ماریہ وسیم، کراچی)

انڈے

گاہک: ''ایک انڈا کتنے کا ہے؟''

دُکان دار: ''ٹوٹا ہوا پانچ روپے کا، اور ثابت آٹھ روپے کا۔''

گاہک: ''اچھا! تو یہ ثابت انڈے توڑ توڑ کر اس برتن میں ڈال دو۔'' (عمر فاروق، دینہ)

مری

ماں (بیٹی سے): ''جلدی سے مجھے پانی پلا دو، میں مری جا رہی ہوں۔''

بیٹی: ''امی! میں بھی آپ کے ساتھ مری جاؤں گی۔''

(محمد ضیاء اللہ، میاں والی)

مرغا

استاد (شاگرد سے): ''کل آپ سکول کیوں نہیں آئے؟''

شاگرد: ''جناب! مجھے برڈ فلو ہو گیا تھا۔''

استاد: ''برڈ فلو تو مرغیوں کو ہوتا ہے۔''

شاگرد: ''جناب! اب میں انسان نہیں رہا۔ آپ ہر روز مجھے مرغا جو بنا دیتے ہیں۔'' (پھول پرویز، فیصل آباد)

بھیک

آدمی: (بھکاری سے) ''گھر گھر جا کر بھیک مانگتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی؟''

بھکاری: ''کیا کروں، میرے گھر آ کر کوئی بھیک دیتا ہی نہیں۔''

(نمرہ رمضان، فیصل آباد)

دو سو روپے

بیوی: ''ہائے میری آنکھیں سلائی کرتے کرتے دکھنے لگی ہیں، مجھے ہر چیز دو دو نظر آ رہی ہیں۔''

شوہر نے جلدی سے جیب سے سو کا ایک نوٹ نکالا اور بولا: ''بیگم! پچھلے مہینے کے دو سو روپے جو میں نے تم سے ادھار لیے تھے۔ واپس لے لو۔'' (حمیرا صفدر، سیال مرالی)

WWW.PAKSOCIETY.COM

پھلوں کا بادشاہ کون؟

سجے ہوئے ہیں پیڑ پھلوں سے ، کتنا دل کش منظر ہے
رنگ برنگے پھل ہیں سارے ، نظر ہر اک ہی پھل پر ہے
میں ہوں کیلا ، میرا ذائقہ سارے پھلوں سے اچھا ہے
اسی سبب سے مجھ پہ فدا ہر بوڑھا اور ہر بچہ ہے
مجھ کو دیکھو، بھول گئے کیا، منڈی مجھ سے سجتی ہے
سیب ہوں پیاری رنگت والا میری یہ خوش بختی ہے
اچھا اچھا سن لیا سب نے، خربوزہ ہے میرا نام
نرم ملائم میرا گودا معمولی ہیں میرے دام
دیکھو میں خاموش ہوں اب تک ، کہتے ہیں امرود مجھے
کھانے والا طاقت پائے چاہے مجھ کو وہ دل سے
میں انگور ہوں اپنی بیل میں موتی جیسا لگتا ہوں
پوپلے منہ والا بھی کھا لے ، پھل میں ایسا رسیلا ہوں
کھائے مجھ کو شوق سے چاہے وہ راجا یا رانی
روپ نکھاروں، قوت بخشوں کہلاتی ہوں خوبانی
کھٹا میٹھا ذائقہ میرا، فالسہ میں کہلاتا ہوں
گرمی میں جو کھائے مجھ کو اُس کی پیاس بجھاتا ہوں

WWW.PAKSOCIETY.COM

دل سے مجھ کو چاہیں سب ہی ، پیارا پھل میں پپیتا ہوں
کچا، پکا کھایا جاؤں ، میں تو سب کا چہیتا ہوں
موسمِ گرما میں آتا ہوں آلو بخارا کہلاؤں
جسم کو طاقت دیتا ہوں میں دل کو تسکین پہنچاؤں
وزن میں بھاری، موٹا چھلکا، ہرا ہوں اُوپر، اندر لال
میں تربوز ہوں ، کھاؤ تم ، قوت سے ہو گے مالا مال
کم زوروں کے حق میں دوا ہوں ، دیکھو دیکھو ہوں میں انار
میرے لیے مشہور کہاوت ایک انار اور سو بیمار
آپس میں ہم کیوں اُلجھیں اب مان بھی لیں سب سچی بات
شاہ پھلوں کا آم ہے پیارو ، بالکل ہے یہ پکی بات
حد سے آگے بڑھنا کب اچھا ہے ، سن لیں پھل سارے
اپنی حد میں ہی رہنا بس بہتر ہوتا ہے پیارے
مجھ پر جس کی پڑے نظر پھر اس کا ہی دل للچائے
خاص میں ہو کر عام ہوں کتنا، خوش بو میری مہکائے
دل سے پھلوں نے عزت بخشی، کرتا ہوں میں سب کو سلام
مجھ کو مانا سب نے شاہ پھلوں کا ، میرا نام ہے آم
آم کے سر پر تاج کو رکھ کر پھلوں کا تھا یہ نعرہ ایک
پہلے بھی تھا اب بھی ہے اور رہے گا شاہ ہمارا ایک

ضیاء الحسن ضیا

WWW.PAKSOCIETY.COM

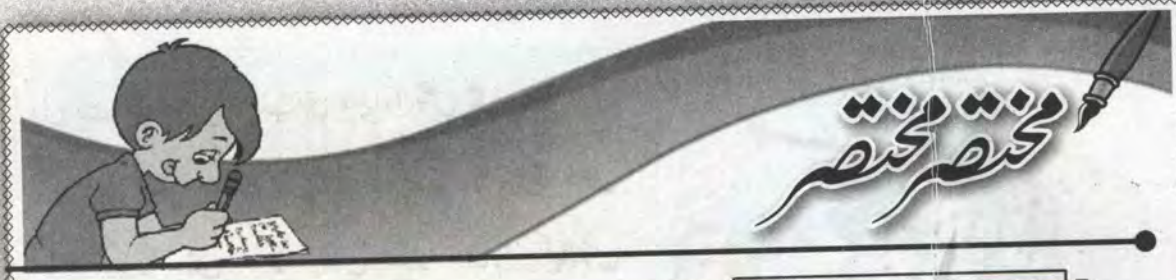

اقوالِ حضرت علی رضی اللہ عنہ

☆ اگر قیامت کے روز اعلان ہو گا کہ تمام افراد جنت میں جائیں اور صرف ایک شخص دوزخ میں جائے گا تو مجھے اللہ تعالیٰ کا اتنا ڈر ہے کہ میں سمجھوں گا کہ وہ شخص میں ہوں اور اگر کہا جائے کہ تمام افراد دوزخ میں جائیں گے اور صرف ایک جنت میں جائے گا تو مجھے اللہ تعالیٰ کی محبت پر اتنا یقین ہے کہ میں سمجھوں گا کہ وہ واحد خوش نصیب میں ہوں۔

☆ کسی کو اس کی حیثیت سے بڑھ کر عزت نہ دو ورنہ وہ غرور میں مبتلا ہو جائے گا۔ اور کسی کو اس کی حیثیت سے کم عزت نہ دو ورنہ تم غرور میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

☆ کسی کو اپنی صفائی پیش نہ کرو کیوں کہ اگر کوئی شخص تم سے محبت کرتا ہے وہ ویسے ہی تمہیں معاف کر دے گا اور اگر کوئی شخص تم سے نفرت کرتا ہے تو وہ ویسے ہی تمہاری کوئی صفائی قبول نہیں کرے گا۔

☆ زبان ایک ایسا درندہ ہے جسے کھلا چھوڑ دو گے تو ممکن ہے کہ پلٹ کر تمہیں ہی کھا جائے۔

(رابیل بلوچ، لاہور)

ایثار

کسی صحابیؓ کے گھر میں بکرے کی قربانی ہوئی تو انہوں نے بکرے کی سری اپنے ہمسائے کے گھر بھیج دی۔ ہمسائے کو اپنے دُوسرے ہمسائے کی فکر تھی۔ انہوں نے خود کو نظر انداز کر کے سری انہیں بھیج دی۔ انہوں نے بھی اپنے کھانے کی فکر نہ کی اور اُسے اپنے دُوسرے ہمسائے کے گھر بھیج دیا۔ اسی طرح بکرے کی وہ سری سات گھروں سے ہوتی ہوئی واپس اُسی صحابیؓ کے گھر پہنچ گئی۔

(عبداللہ مہک، شبقدر)

رحم دلی

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ ایک دن کسی نخلستان سے گزر رہے تھے۔ وہاں ایک غلام بکریاں چرا رہا تھا اتنے میں کہیں سے ایک کتا آیا اور غلام کے پاس بیٹھ کر اُس کا منہ تکنے لگا۔ غلام نے اُسے دیکھ کر اپنی چادر میں سے ایک روٹی نکالی اور اُس کتے کے آگے ڈال دی۔ کتا اُسے کھا گیا اور اور پہلے کی طرح پھر اس غلام کا منہ تکنے لگا۔ غلام نے ایک روٹی نکالی اور کتے کے آگے ڈال دی، کتا اسے بھی کھا گیا اور بدستور غلام کی طرف دیکھتا رہا۔ غلام نے تیسری روٹی بھی اُسے ڈال دی۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کہتے ہیں یہ دیکھ کر میں غلام کے پاس گیا اور اُس سے پوچھا: ''تجھے ایک وقت میں کتنی روٹیاں کافی ہوتی ہیں؟'' غلام نے جواب دیا ''تین۔'' میں نے کہا: ''تُو آج کیا کھائے گا اپنے حصے کی روٹیاں تو تُو نے کتے کو ڈال دیں؟'' وہ بولا: ''یہ کتا کہیں سے پھرتا پھراتا اِدھر آ نکلا ہے اور اس علاقے میں اجنبی ہے، میرا دل نہ مانا کہ صبح ہی صبح اسے بھوکا رکھوں، میں شام تک صبر کر سکتا ہوں۔''

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ پر غلام کی اس بات نے بہت اثر کیا۔ انہوں نے اسے اُس کے مالک سے خرید کر آزاد کر دیا اور وہ نخلستان بھی خرید کر اس کے نام کر دیا۔

(نعمان شیراز، کراچی)

خدا دیکھ لیا

حضرت امام جعفر صادقؒ دریائے دجلہ کے کنارے چہل قدمی فرما رہے تھے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور ان سے یوں مخاطب ہوا۔ ''اے امام آپ روحانیت کے بادشاہ ہیں۔ کیا آپ مجھے خدا دکھا سکتے ہیں؟''

امام نے جواب دیا: ''میرے دوست خدا کو ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا، ہم اسے فقط محسوس کرتے ہیں۔'' اس شخص

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے کہا: ''لیکن میں ایسے خدا کی عبادت نہیں کر سکتا جسے چھوا نہ جا سکے اور نہ دیکھا جا سکے۔'' امام نے اپنے آدمیوں سے کہا ''اس شخص کو پکڑ کر دریا میں پھینک دو۔'' انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ وہ شخص دریا میں ہاتھ پاؤں مارنے لگا کہ مجھے بچاؤ، میں ڈوب جاؤں گا۔ امام کے آدمیوں نے اسے باہر نکال لیا۔ پھر انہوں نے اپنے آدمیوں کو سختی سے حکم دیا: ''اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے دوبارہ دریا میں ڈال دو۔'' حکم کی تعمیل ہوئی۔ اس مرتبہ وہ شخص بہت ہراساں ہوا۔ اس کی چیخوں سے ساری فضا گونج اٹھی۔ جب امام اور امام کے آدمیوں نے اس کی طرف بالکل توجہ نہ کی تو وہ بے اختیار پکارا۔

''یااللہ! تُو ہی مجھے بچالے۔''

امام نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ انہوں نے اسے دریا سے نکال لیا۔ وہ شخص کانپنے لگا۔ امام نے اس سے پوچھا: ''تم کہہ رہے تھے یا اللہ مجھے بچا، کیا تم نے خدا کو دیکھا تھا؟'' اس شخص نے کہا: ''ہاں میں نے خدا کو دیکھ لیا، جب کوئی اُمید باقی نہ رہی تو میں نے خدا کو پکارا میرے دل کے پٹ کھل گئے اور خدا میرے دل میں آ گیا۔''

(عمران حسین، لکھوال)

فرق

ایران کا مشہور بادشاہ نوشیرواں ایک بار شکار کے لیے گیا۔ شکار گاہ میں اس کے لیے کباب تیار کیے جا رہے تھے کہ اتفاق سے نمک ختم ہو گیا۔ شاہی باورچی نے غلام سے کہا۔

''قریب کی بستی سے نمک لے آؤ۔''

''بادشاہ نے یہ بات سن لی۔ اُس نے غلام کو بلایا اور اُسے تاکید کی کہ قیمت ادا کیے بغیر نمک ہرگز لانا۔ غلام بولا ''ذرا سا نمک کسی سے مفت لے لوں گا تو کیا فرق پڑے گا۔''

نوشیرواں نے کہا: ''ضرور فرق پڑے گا ہر برائی ابتداء میں ایسی ہی معمولی دکھائی دیتی ہے، لیکن پھر وہ بڑھتے بڑھتے اتنی بڑی ہو جاتی ہے کہ اسے مٹانا آسان نہیں ہوتا۔''

(اقصیٰ حسن، تربیلا)

آبِ زم زم

موجودہ سائنسی دور میں آبِ زم زم کے کیمیائی تجزیے سے معلوم ہوا ہے کہ اس میں درج ذیل معدنی اجزاء پائے جاتے ہیں۔ جن کے درج ذیل فوائد ہیں۔

میگنیشیم سلفیٹ:

جسمانی حرارت اور گرمی کو دُور کرتا ہے اور قے اور سر درد میں بہت مفید ہے۔

سوڈیم سلفیٹ:

جوڑوں کے درد کے لیے بہت مفید ہے۔ مریضوں کو اس سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔

سوڈیم کلورائیڈ:

نظامِ تنفس اور ہاضمے کی صفائی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

کیلشیم کاربونیٹ:

خوراک کو ہضم کرنے اور پتھری کو توڑنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

پوٹاشیم نائٹریٹ:

دمہ میں بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔

(سعدیہ سمیع، لاہور)

محبت

ایک شاگرد نے اپنے استاد سے پوچھا: ''آپ مجھے محبت کے بارے میں کچھ بتایئے۔''

استاد نے کچھ سوچا اور پھر بولے۔

''دیکھو ایک تالاب میں دس مچھلیاں رہتی تھیں، ایک دن ایک مچھلی مرگئی اور تالاب کا پانی بڑھ گیا۔

شاگرد: ''وہ کیسے؟''

استاد: ''باقی نو مچھلیوں کے آنسوؤں سے، یہی محبت ہے۔''

(عبدالاحد، فیصل آباد)

WWW.PAKSOCIETY.COM

میری زندگی کے مقاصد

عمیر شاہد، جھنگ

میں بڑا ہو کر کرکٹر بن کر اپنے ملک کا نام روشن کرنا چاہتا ہوں۔

محمد حسین، کراچی

میری زندگی کا مقصد یہ ہے کہ میں ڈاکٹر بن کر غریبوں کی مدد کروں گا۔

اقصیٰ شہزادی، گجرات

میں ڈاکٹر بن کر دُکھی لوگوں کی خدمت کروں گی۔

عروج عثمانی، اسلام آباد

میں بڑی ہو کر ڈاکٹر بنوں گی اور غریبوں کا مفت علاج کروں گی۔

خدیجہ یوسف، لاہور

میں بڑی ہو کر ڈاکٹر بن کر غریب لوگوں کا مفت علاج کروں گی۔

احمد فرید خان، چکوال

میں انجینئر بن کر ملک کو ترقی کی شاہراہ پر گامزن کروں گا۔

عامر وقاص چیمہ، وزیرآباد

میں بڑا ہو کر زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے خلاف جہاد کروں گا۔

عائشہ نور، گجرات

میں بڑی ہو کر ڈاکٹر بننا چاہتی ہوں اور ملک و قوم کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔

جنید نعیم دیوان، حویلی لکھا

میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے پاکستان کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔

عتیق الرحمٰن، گجرات

میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اپنے والدین کا نام روشن کروں گا۔

محمد عبداللہ، لاہور

میں سائنس دان بن کر اپنے ملک و قوم کی خدمت کروں گا۔

کومل امجد، ملتان

میں بڑی ہو کر ٹیچر بنوں گی اور علم کی روشنی پھیلاؤں گی۔

حمنہ احمد، منڈی بہاؤالدین

میں پروفیسر بن کر علم کی روشنی پورے ملک میں پھیلاؤں گا۔

راجہ محمد وسیم، چکوال

پاکستان آرمی میں جا کر ملک و قوم کی خدمت کرنا میری زندگی کا اولین مقصد ہے۔

ماجد رحمٰن، ڈیرہ غازی خان

میں پاک آرمی میں جا کر ملک کی حفاظت کرنا چاہتا ہوں۔

عزیز اللہ، کراچی

میں انجینئر بن کر اپنے والدین کا نام روشن کرنا چاہتا ہوں۔

محمد حسن رضا، جوہر آباد

میں ڈاکٹر بن کر اپنے والدین کا نام روشن کرنا چاہتا ہوں۔

عبداللہ نوید، اسلام آباد

میں بڑا ہو کر پائلٹ بنوں گا اور ملک و قوم کی خدمت کروں گا۔

محمد مرتضیٰ، ساہی وال

میں بڑا ہو کر ڈاکٹر بن کر لوگوں کی خدمت کروں گا۔

تکمین عامر بٹ، سیال کوٹ

میں ٹیچر بن کر علم کی روشنی پھیلانا چاہتی ہوں۔

رائے محمد عتیق، شیخوپورہ

میں پاک فوج میں جا کر اپنے ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا چاہتا ہوں۔

میری زندگی کے مقاصد کے لیے یہ کوپن پُر کرنا اور پاسپورٹ سائز رنگین تصویر بھیجنا ضروری ہے۔

نام .... شہر ....

مقاصد ....

....

WWW.PAKSOCIETY.COM

مہربان

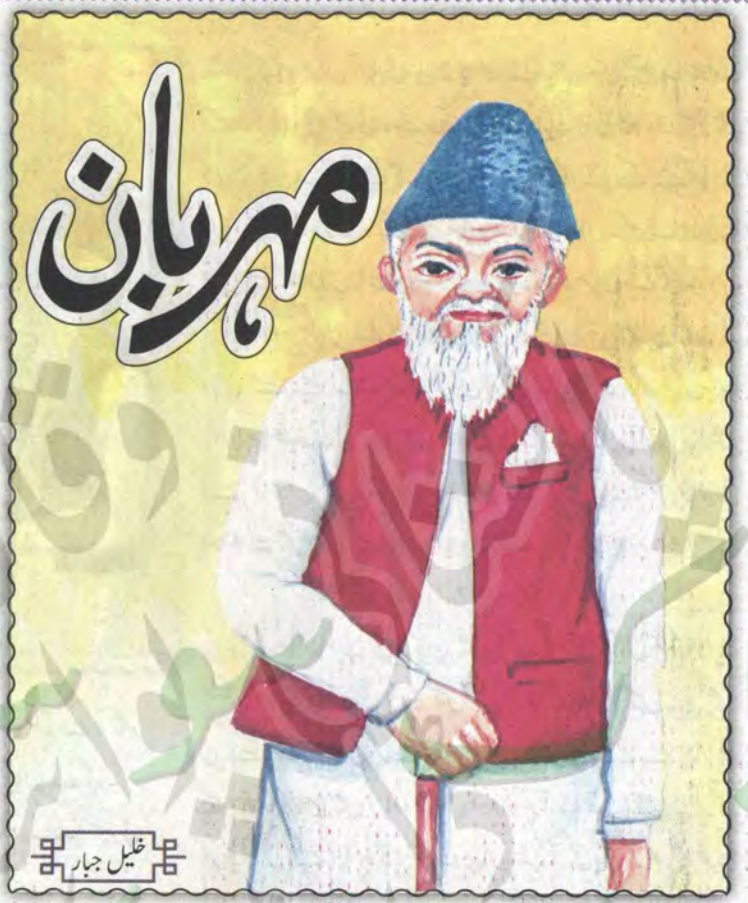

خلیل جبار

حامد میاں جیسے ہی گھر سے نکل کر گلی میں آئے وہاں موجود لوگوں نے ایک دُوسرے کے کان میں کھسر پھسر کرنی شروع کر دی۔ شوکت اور پیر جی کو ان سے خدا واسطے کا بیر تھا۔ شوکت ہر وقت محلے کے لوگوں سے ان کی برائیاں کرتا رہتا تھا۔ یہ اتفاق ہے کہ اس کی دُکان حامد میاں کے گھر کے قریب ہی تھی۔ محلے والے اپنے لحاف اور گدے ان سے بھرواتے تھے۔ پیر جی کی شوکت کے برابر میں پرچون کی دُکان تھی۔

''یہ شخص ساری دولت قبر میں لے کر جائے گا۔'' پیر جی نے کہا۔

''لگتا تو ایسے ہی ہے۔'' شوکت نے کہا۔

یہ بہت ہی کنجوس مکھی چوس ہیں، بیوی نہ بچے، پتا نہیں کس کے لیے اتنی دولت جمع کر رہے ہیں، میاں میں ان کی جگہ ہوتا تو خوب دل کھول کر دولت خرچ کرتا۔'' پیر جی نے کہا۔

''بے شک، بے شک تم درست کہہ رہے ہو پیر جی، میں بھی ایسا ہی کرتا آخر انسان دولت کماتا کس لیے ہے۔'' شوکت نے کہا۔

جب یہ جملہ حامد میاں کے کان میں پڑا تو انہوں نے گردن گھما کر شوکت کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ وہ اس طرح کے جملے سننے کے عادی ہو گئے تھے۔

چھوٹا قد، سر پر جناح کیپ، پرانے کپڑوں پر ایرانی واسکٹ، ہاتھ میں چھڑی اور چہرے پر لمبی داڑھی، یہ تھے حامد میاں۔ وہ کبھی کسی سے لڑتے جھگڑتے نہیں۔ ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس کا محلے والوں سے آئے روز جھگڑا ہوتا، لیکن وہ کس کی بات کا بُرا نہیں مناتے تھے۔ ہر دم ان کے چہرے پر مسکراہٹ رہتی تھی۔ وہ بڑی خوش اخلاقی سے محلے کے لوگوں سے ملتے تھے۔ ملاقات کے وقت وہ یہ بھی بھول جاتے تھے کہ جس سے وہ گفتگو کر رہے ہیں، اس نے چند دن پہلے ان کے بارے میں کیا کہا تھا۔

اس وقت وہ محلے کے سبزی فروش سے سبزی لینے آئے تھے۔ سبزی والے کے پاس رش نہیں تھا۔

''میاں! یہ بینگن کیا حساب دے رہے ہو؟'' حامد میاں نے پوچھا۔

''میاں صاحب! بینگن کو چھوڑیں گاجریں لے جائیں بالکل تازہ ہیں۔'' سبزی فروش نے کہا۔

''گاجر کے دام بھی تو زیادہ ہوں گے۔'' حامد میاں مسکرائے۔

''ہاں جی! یہ بات تو ہے، جیسی سبزی ویسے دام۔''

''تم ہمیں وہ سبزی دیا کرو جو تمہاری دُکان میں سستی ہو اور کوئی اسے خریدنا نہیں چاہتا ہو، میرا خیال ہے آج تمہاری دُکان میں بینگن ہی سستے ہوں گے۔''

''ہاں میاں جی! بینگن سستے ہیں۔ ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ ہر شخص تازہ سبزی مانگتا ہے، لیکن آپ باسی اور سستی سبزی مانگتے ہیں۔''

''میاں جب سستی سبزی اور پھل سے کام چل سکتا ہے تو پھر مہنگی خرید کر فضول خرچی کرنے کا کیا فائدہ۔'' حامد میاں نے کہا۔

''میاں جی! آپ کا فلسفہ تو اپنی سمجھ سے باہر ہے۔'' سبزی فروش نے انہیں دیکھا۔

''میاں! صبح کے وقت نہار منہ بادام کھایا کرو تمہارا دماغ خوب کام کرنے لگا۔'' حامد میاں نے کہا۔

''میاں جی! جب تازہ سبزی کھا کر دماغ کر رہا ہے تو پھر بادام کھا کر فضول خرچی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔'' سبزی فروش نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''ہاں، ہاں صحیح بات ہے۔'' حامد میاں کھسیانے ہوتے ہوئے بولے۔

''میاں جی! ایک بات پوچھوں اگر بُرا نہ مانو تو۔'' سبزی فروش نے کہا۔

''پوچھو۔''

''اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت دولت دی ہے پھر آپ اتنی کنجوس کیوں کرتے ہیں، خوب تازہ تازہ سبزیاں، پھل اور گوشت کھایا کریں آنکھ بند ہونے پر کوئی اور ہی آپ کی دولت پر عیش کرے گا۔''

''دیکھو میاں تمہاری بات کا میرے پاس یہی مختصر سا جواب ہے کہ اپنی اپنی سمجھ کی بات ہے، سب کی ایک سوچ ہو جائے تو پھر دُنیا کا کاروبار کیسے چلے گا۔ لوگ اچھا کھانا چٹخارے کے لیے کھاتے ہیں، میں زندہ رہنے کے لیے سادہ غذا کھاتا ہوں۔ صرف سوچ کا فرق ہے۔ چلو اس بات پر بینگن تول دو۔'' حامد میاں نے کہا۔

پھر وہ سبزی لے کر سبزی فروش کو حیران و پریشان چھوڑ کر وہاں سے چلے گئے۔ سبزی فروش غور کر رہا تھا کہ حامد میاں ایسا کون سا فلسفہ بول گئے ہیں جو اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا، حالانکہ اپنے خاندان میں وہ بڑا سمجھ دار جانا جاتا تھا۔ اکثر خاندانی معاملات میں اس سے مشورہ لیا جاتا تھا۔

☆.....☆.....☆

شوکت صاحب کی دُکان میں آگ لگی تھی، جس پر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا۔ روئی کی گانٹھیں جل کر خاک ہو گئی تھیں۔ ہر شخص ان سے اظہار افسوس کرنے آ رہا تھا۔ وہ اس صدمے سے بیمار ہو گئے تھے۔ دُکان میں زیادہ تر مال ادھار پر آ رہا تھا۔ انہیں یہ فکر تھی کہ یہ قرض کیسے ادا ہو گا۔ نوبت یہاں تک آ گئی تھی کہ گھر کا خرچ چلانا مشکل ہو گیا تھا۔

وہ دُکان میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حامد میاں آ گئے۔ انہیں دیکھ

WWW.PAKSOCIETY.COM

کر شوکت کو حیرت بھی ہوئی اور دل میں خیال بھی آیا کہ وہ ضرور اس کی موجودہ حالت کا مذاق اڑائیں گے۔ کیوں کہ وہ ان کا تقریباً روز ہی مذاق اڑاتا تھا۔

''شوکت! مجھے یہ سن کر بہت افسوس ہوا کہ تمہاری دُکان میں آگ لگ گئی ہے، لیکن تم بالکل نہ گھبرانا، اس طرح کی آفات انسان پر آتی رہتی ہیں، ان سے گھبرانا نہیں چاہیے۔''

''جی۔'' شوکت نے کہا۔

''کوئی کام ہو تو مجھے ضرور بتانا۔'' حامد میاں نے کہا۔

''خود پر تو ایک پیسہ خرچ نہیں کرتے، میری کیا خاک مدد کرو گے۔'' شوکت نے دل میں سوچا۔

''شوکت میاں! کیا ایک گلاس پانی پینے کو مل جائے گا۔'' حامد میاں نے کہا۔

''ہاں، ہاں اس دُکان میں اب صرف پانی ہی رہ گیا ہے جو آسانی سے مل سکتا ہے۔'' شوکت نے کہا۔

اس نے کولر سے ایک گلاس پانی بھر کر حامد میاں کی طرف بڑھایا۔ وہ اس وقت اس جگہ کھڑے تھے جہاں شوکت نے اپنی قمیص اتار کر لٹکائی ہوئی تھی۔ حامد میاں پانی پی کر فوراً دُکان سے نکل گئے۔ ان کے اس طرح جانے پر شوکت کو بڑی حیرت ہوئی اور اسی حیرت کے عالم میں اس نے قمیص پہنی۔ قمیص کی جیب پھولی ہوئی تھی۔ شوکت نے پھولی ہوئی جیب میں ہاتھ ڈالا تو جیب سے ہزار ہزار روپے کے نوٹوں کی گڈی برآمد ہوئی۔ نوٹ دیکھ کر شوکت کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''کیا حامد میاں نے یہ نوٹ رکھے ہیں؟'' اس نے خود کلامی کی۔

''نہیں نہیں وہ میری مدد کیوں کریں گے، محلے میں ان کا سب سے زیادہ مذاق میں ہی اڑاتا ہوں، ایسے میں وہ کیوں کر میری مدد کریں گے بلکہ وہ خوش ہو رہے ہوں گے میری تباہی دیکھ کر۔''

شوکت کا ایسا کوئی دوست بھی نہیں تھا جو اس کی مدد کرتا۔ جن بھوتوں سے بھی اس کی دوستی نہیں تھی جو پُراسرار طریقے سے اس کی مدد کرتے۔ صبح سے اس کی دُکان میں محلے سے حامد میاں کے علاوہ کوئی بھی آدمی نہیں آیا تھا۔

دُوسرے دن جب حامد میاں اس کی دُکان کے سامنے سے گزرے تو شوکت نے انہیں آواز دے کر بلا لیا۔ وہ مسکراتے ہوئے دُکان میں داخل ہوئے۔

''کیوں بھئی شوکت خیریت ہے نا، کوئی پریشانی کی بات تو نہیں ہے؟''

''میاں جی! ایک اُلجھن ہے جو سلجھانی ہے۔''

''اچھا، اچھا میں سمجھ گیا، تم اپنی اُلجھن کو سلجھانے کی بجائے ہنسی خوشی اپنے کاروبار کو بہتر بناؤ۔'' حامد میاں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اس کا مطلب ہے، وہ مہربان آپ ہی ہیں۔'' شوکت نے حامد میاں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''شوکت میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا، پڑوسی ہی ایک دُوسرے کے کام آتے ہیں یہی زندگی ہے، اپنے لیے سب ہی جیتے ہیں جو دُوسروں کے لیے جیتے ہیں اصل زندگی وہی ہوتی ہے۔ اگر مزید پیسوں کی ضرورت ہو تو بتا دینا۔'' یہ کہتے ہوئے حامد میاں تیزی سے اس کی دُکان سے باہر نکل گئے۔

☆☆

سنہرے لوگ

غلام حسین میمن

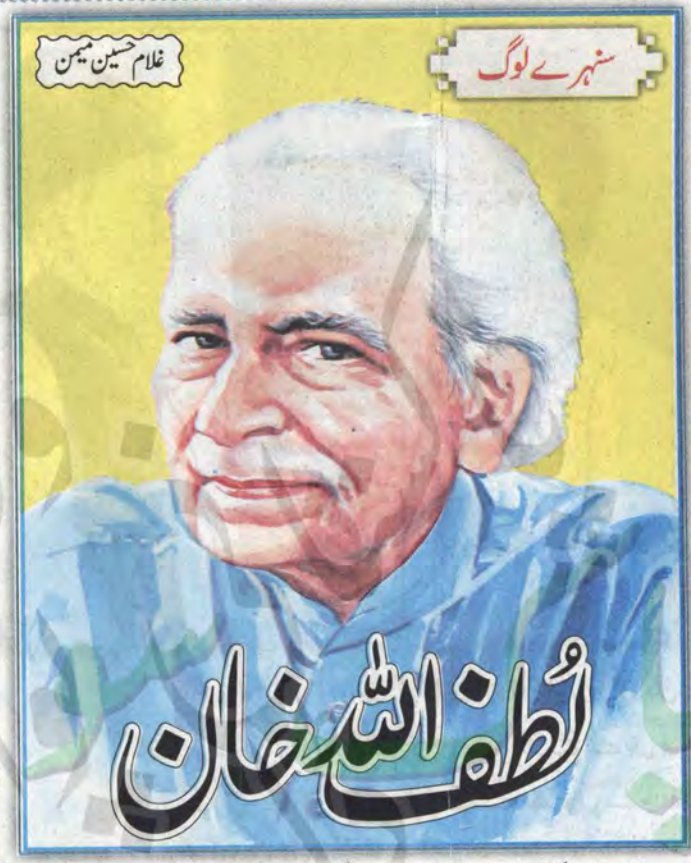

لطف اللہ خان

کیا آپ کو معلوم ہے کہ پاکستان کی سب سے بڑی آڈیو لائبریری (آواز خزانہ) کس شہر میں ہے، جس میں ہزاروں نایاب آوازوں کا ذخیرہ موجود ہے تو یقیناً آپ میں سے کئی بچے نفی میں سر ہلا دیں گے۔ یہ آڈیو لائبریری عروس البلاد کراچی میں واقع ہے، جہاں برصغیر پاک و ہند کی ہر شعبہ کی نام ور شخصیات کی پانچ ہزار آوازوں کا ریکارڈ موجود ہے جس میں قائداعظم محمد علی جناح، شہید ملت لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر، بابائے نشریات زیڈ اے بخاری، مہاتما گاندھی، سرسید احمد خان، بہزاد لکھنوی، استاد قمر جلالوی، فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، مولانا احتشام الحق تھانوی، فیلڈ مارشل محمد ایوب خان، جنرل یحییٰ خان، جنرل ضیاء الحق اور ذوالفقار علی بھٹو سمیت شوبز اور موسیقی سے تعلق رکھنے والے موسیقار و گلوکاروں کے ڈھائی ہزار نایاب آڈیو اور وڈیو کیسٹ موجود ہیں۔

اب یقیناً آپ کا سوال ہوگا کہ یہ خزانہ کس حکومتی ادارے کی ملکیت ہے، تو جان لیجئے کہ جس آواز خزانے کا تذکرہ ہو رہا ہے وہ کسی حکومتی ادارے کی ملکیت نہیں بلکہ مرحوم لطف اللہ خان کی تنہا ذاتی کوششوں کا ثمر ہے جس کے لیے وہ ہر دم اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتے تھے۔ اس ذاتِ باری تعالیٰ نے انہیں اتنی ہمت اور استطاعت عطا کی کہ وہ علم و ادب اور فنونِ لطیفہ کے شعبے میں یہ گراں قدر خزانہ جمع کر سکیں۔

لطف اللہ خان 25 نومبر 1916ء کو انڈیا کے شہر مدراس میں پیدا ہوئے۔ انہیں بچپن ہی سے شعر و ادب، موسیقی اور سیر و سیاحت کا بے حد شوق تھا۔ موسیقی کے حوالے ریڈیو مدراس پر دو گھنٹے کا پروگرام اور ریڈیو پاکستان کی عالمی سروس کے لیے 10 لیکچر بھی دیئے۔ ابتداء میں مضامین اور افسانے بھی لکھے۔ سترہ سال کی عمر میں پہلا مضمون ایک ہفت روزہ میں شائع ہوا۔ پچیس سال کی عمر میں افسانوں کے مجموعے ''پہلو'' کے مصنف بن گئے۔

قیامِ پاکستان کے وقت وہ بمبئی میں تھے۔ وہیں سے کراچی ہجرت کی۔ یہاں انہوں نے اشتہارات کا کام شروع کیا۔ یہ 1951ء کا واقعہ ہے کہ ایک روز انہیں ایک گاہک یونس علی محمد نے اپنی ریڈیو کی دُکان پر بلا کر عمدہ پالش کیا ہوا لکڑی کا خوب صورت بکس دکھایا اور کہا: ''انگلینڈ سے منگوایا ہے۔ نئی چیز ہے۔ اسے ٹیپ ریکارڈ کہتے ہیں۔ ایسی مشینوں سے دُوسری جنگِ عظیم میں دفاعی کام لیا گیا ہے۔ اب انہیں کمرشل سطح پر فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ پہلی مشین ہے جو انگلینڈ سے خرید کر اس خطے میں لائی گئی ہے۔ میں آپ کے ذریعے اشتہار بنوا کر چلانا چاہتا ہوں، تاکہ معلوم ہو سکے کہ اگر یہ عوام میں مقبولیت کا درجہ پاتی ہے تو اسے مزید منگوانے کا آرڈر دیا جائے۔''

لطف اللہ خان خود اس مشین کے پہلے خریدار بن گئے اور گھر جا کر جس شخصیت کی آواز سب سے پہلے ریکارڈ کی وہ ان کی والدہ تھیں، اور پھر ریکارڈنگ کے بعد اسے سنا بھی جا سکتا تھا۔ ان آوازوں کو سن کر ان کی اور گھر والوں کی خوشی دیدنی تھی۔ اس موقع پر انہیں وہ خیال آیا کہ جو بعد میں حقیقت کا روپ دھار کر آج ان کی پہچان بن چکا ہے۔ پھر تھکنا کیسا؟..... انہوں نے اس شوق کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

تکمیل میں ساٹھ سال صرف کر دیئے۔

ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی، کراچی میں واقع ان کے میوزیم میں کیا کیا نہیں ہے، یہ دیکھ کر آپ کی آنکھیں خیرہ رہ جائیں گی۔ تمام نادر و نایاب اشیاء کو صاف ستھرے شوکیس میں ترتیب سے رکھا گیا ہے جن میں پُرانے زمانے کے ایمپلی فائر، ریڈیو، ٹیپ ریکارڈز، ہر قسم کے کیمرے، گراموفون ریکارڈ، کرنسی کے علاوہ اُردو ادب کا خزانہ، پُرانے زمانے کے قلم، پین ہولڈرز (قلم دان)، پنسلیں، ربڑ، اسکیل، پینٹنگز، برش، جیومیٹری بکس، کٹرز، چاقو، قینچیاں، ٹیپ گم، لائٹرز، سگریٹ کیس، سگریٹ پائپ، ڈائریاں، عدسے، ایس ٹرے، وزیٹنگ کارڈ، پرس اور موسیقی کا ڈھائی ہزار ریکارڈز کا خزانہ اس کے علاوہ ہے۔

اپنے آواز خزانے کے بارے میں وہ کہتے تھے۔

''میں نے ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والی اہم شخصیات کی آوازیں اپنے پاس محفوظ کی ہوئی ہیں۔ میں نے ادبی شعبے کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہوا ہے۔ حصہ نظم و نثر۔ میرے پاس تقریباً 800 شعراء کا کلام موجود ہے۔ ان میں نام ور بھی ہیں اور غیر معروف بھی۔ کسی شاعر کا تو کلام ان کی اپنی آواز میں ریکارڈ کیا گیا ہے جیسے فیض احمد فیض اور اختر الایمان۔ فیض صاحب نے اپنا سارا کلام گاہے بگاہے پورے بیس سال کے عرصے میں میرے اسٹوڈیو میں ریکارڈ کرایا۔ نثر نگاروں کی بھی طویل فہرست ہے۔ بس یوں سمجھئے کہ پاکستان اور ہندوستان کے تمام نامی گرامی نثر نگاروں کی آوازیں میری آڈیو لائبریری میں محفوظ ہیں۔''

اس آڈیو لائبریری، جس میں پانچ ہزار سے زائد معروف اور اہم لوگوں کی آوازیں محفوظ ہیں، اس کا دورانیہ دس ہزار گھنٹے ہے۔ مولانا احتشام الحق تھانوی کی آواز میں پورا قرآنِ پاک، قاری محمد طیب کی 10 گھنٹے کی ریکارڈنگ، حفیظ جالندھری اور حفیظ ہوشیار پوری کی آواز میں ان کا کلام، روشن آراء بیگم سمیت دُوسری مغنیوں کی آوازیں۔ 1951ء میں آل پاکستان مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ جہانگیر پارک کراچی میں ہوا جس میں وزیراعظم پاکستان لیاقت علی خان نے سالانہ جائزہ پیش کیا تھا۔ دورانِ تقریر انہوں نے کہا تھا:

''شیخ عبداللہ کشمیر تمہارے باپ کی جائیداد نہیں ہے۔'' یہ تاریخی جملہ ان کی آڈیو لائبریری کا حصہ ہے۔ اس کے علاوہ ایک ایسی ٹیپ شدہ آواز جو صرف ان ہی کے پاس موجود ہے..... اور وہ ہے قائداعظم محمد علی جناح کا لندن میں ریکارڈ کیا گیا انٹرویو، جس کا دورانیہ تین منٹ ستائیس سیکنڈ ہے۔

لطف اللہ خان نے آڈیو لائبریری کے علاوہ 24 نشستوں پر مشتمل ایک اسٹوڈیو بھی بنایا۔ اس میں ڈش انٹینا، سینما کی بڑی اسکرین اور وی سی آر کے علاوہ اسپیکر کے ذریعے پرانے گلوکاروں کے نغمے سنانے کا بھی اہتمام ہے۔ ان کی لائبریری میں پاکستان کے پھولوں، پاکستان کی مساجد، پاکستان کے مزارات، پاکستان کے آثارِ قدیمہ پاکستان کے فن کاروں، پاکستان کے مشاہیر اور دُوسرے موضوعات پر 3500 رنگین سلائیڈ موجود ہیں۔ تمام نوادرات اور ریکارڈز ردیف وار، ترتیب وار سلیقے سے رکھے گئے ہیں۔ تمام کام کمپیوٹرائزڈ ہے۔ آڈیو ذخیرے کے 30 سے زائد کیٹلاگ ہیں۔ ہر کیٹلاگ کے 196 صفحات ہیں۔ کسی بھی شخصیت کی آڈیو ٹیپ تلاش کرنے میں ایک منٹ بھی نہیں لگتا۔

1991ء میں انہوں نے ایک کتاب ''بچپن کے واقعات'' کے عنوان سے تصنیف کی۔ یہ کتاب لڑکپن کی یادوں پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد انہوں نے دس یادگارِ زمانہ ادیبوں اور شاعروں کے احوال و آثار بھی مبنی مجموعہ ''تماشائے اہل کرم'' شائع کیا۔ اس میں جن ادیبوں اور شاعروں کے خاکے ہیں ان میں جوش ملیح آبادی، جگر مراد آبادی، حفیظ جالندھری، ن۔م۔ راشد، فیض احمد فیض، استاد قمر جلالوی، اختر حسین رائے پوری، عصمت چغتائی، حفیظ ہوشیار پوری اور زیڈ اے بخاری شامل ہیں۔

1997ء میں ان کی کتاب ''سُر کی تلاش'' شائع ہوئی۔ 1998ء میں خودنوشت ''ہجرتوں کے سلسلے'' اور 2000ء میں سفر نامہ ''زندگی ایک سفر'' شائع ہوا۔ زندگی ایک سفر، ان کے سفر یورپ کی روداد ہے جو انہوں نے 1959ء میں کیا اور 55 سال بعد لکھ کر شائع کرایا۔ لطف اللہ خان 3 مارچ 2012ء کو اس دُنیا سے رخصت ہوئے۔ ان کے چھوڑے ہوئے آواز خزانے سے آنے والی نسلیں فیض حاصل کرتی رہیں گی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

معلوماتِ عامہ

- دُنیا کی سب سے بڑی تفریح گاہ ڈزنی لینڈ ہے۔
- دُنیا میں سب سے زیادہ کھجوریں عراق میں پیدا ہوتی ہیں۔
- چوہے کا دل ایک منٹ میں 700 مرتبہ دھڑکتا ہے۔
- شیر 40 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ سکتا ہے۔
- جلال آباد افغانستان کا گرم ترین علاقہ ہے۔

(بریعہ سلیم، لاہور)

- پاکستان کا قومی کھیل ہاکی ہے۔
- چین کا قومی کھیل پتنگ بازی ہے۔
- جاپان کا قومی کھیل جوڈو کراٹے ہے۔
- امریکا کا قومی کھیل بیس بال ہے۔
- انگلینڈ کا قومی کھیل کرکٹ ہے۔
- فرانس کا قومی کھیل ٹیبل ٹینس ہے۔
- کینیڈا کا قومی کھیل آئس ہاکی ہے۔

(حذیفہ انوار، جھنگ صدر)

- انسانی جسم میں کُل 206 ہڈیاں ہوتی ہیں۔
- انسانی ٹانگ میں کُل 31 ہڈیاں ہوتی ہیں۔
- انسانی جسم میں کُل 25 لاکھ مسام ہوتے ہیں۔
- انسانی جسم میں 65 فیصد پانی ہوتا ہے۔
- انسانی جسم میں کُل 24 پسلیاں ہوتی ہیں۔

(محمد معیز، کامونکی)

- علامہ اقبال کو ''سر'' کا خطاب جنوری 1923 میں ملا۔
- علامہ محمد اقبال کا پہلا اُردو شعری مجموعہ بانگِ درا 1924ء میں شائع ہوا۔
- علامہ اقبال کی گیارہ کتابوں میں سے سات فارسی اور چار اُردو زبان میں ہیں۔

(ثمرین منیبہ، جھنگ)

- پاپ سنگرز خشک ٹھنڈی کی ہوئی کاربن ڈائی آکسائیڈ کو سٹیج پر بادلوں کا تاثر پیدا کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔
- دُنیا میں پٹرولیم اور قدرتی گیس کے جلانے سے سالانہ 16 ملین ٹن کاربن ڈائی آکسائیڈ پیدا ہوتی ہے۔
- دُنیا کا سرد ترین مقام سائبیریا ہے۔

(ارسلان علی، کندیاں)

- ریچھ شہد کا بڑا شوقین ہے۔
- سانپ اپنی زبان سے راستہ تلاش کرتا ہے۔
- بلی کا پیٹ خراب ہوجائے تو وہ گھاس کھانے لگتی ہے۔
- چوہے کی قوتِ حافظہ بہت کمزور ہوتی ہے۔
- شہد کی مکھی کو سرخ رنگ نظر نہیں آتا اس لیے وہ سرخ پھولوں کا رس نہیں چوس سکتی۔

(محمد عمر خالد، لاہور)

- پاکستان نے پہلا کرکٹ ٹیسٹ میچ 1952ء کو کھیلا تھا۔
- پاکستانی باؤلر خان محمد نے پاکستان کی طرف سے پہلی ٹیسٹ وکٹ لی تھی۔
- پاکستانی کرکٹ ٹیم کے پہلے کپتان عبدالحفیظ کاردار تھے۔
- پاکستانی باؤلر جلال الدین نے ون ڈے کرکٹ کی تاریخ میں سب سے پہلی ہیٹ ٹرک کی۔
- ٹیسٹ کرکٹ میں ایک سال میں سب سے زیادہ رنز بنانے کا ریکارڈ محمد یوسف کے پاس ہے۔
- ون ڈے کرکٹ میں تیز ترین سنچری شاہد آفریدی نے بنائی اور ان کی اس وقت عمر 16 سال اور 217 دن تھی۔
- ون ڈے کرکٹ میں تیز ترین 400 وکٹیں حاصل کرنے کا ریکارڈ وقار یونس کے پاس ہے۔

(محمد عاصم جانباز، میاں چنوں)

- سب سے زیادہ خام تیل سعودی عرب میں پایا جاتا ہے۔
- سب سے زیادہ نمک پاکستان میں پایا جاتا ہے۔
- سب سے زیادہ تانبا چلی میں پایا جاتا ہے۔
- سب سے زیادہ کوئلہ چین میں پایا جاتا ہے۔
- سب سے زیادہ یورینیم کینیڈا میں پایا جاتا ہے۔

(مریم یونس، جہلم)

WWW.PAKSOCIETY.COM

پروفیسر مجیب ظفر انوار حمیدی

حسن میاں جہاں نظر آتے، ابا اُن کو بلاتے اور ماتھے پر پیار کر لیتے..... حسن میاں اور ننھے سعد میاں اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے اپنا ماتھا اور گال صاف کرتے تو ابا خوب ہنستے: ''ٹھا..... ٹھا..... ٹھا.....'' حسن میاں کا دوست ارسلان کہا کرتا کہ حسن تمہارے ابا تو ایسے ہنستے ہیں جیسے ہماری گلی میں کرکٹ جیتنے کی خوشی میں بڑے لڑکے فائرنگ کرتے ہیں۔ اس بات پر محمد حسن نوید میاں کو غصہ آ جاتا۔ اُن کے ابا کو کوئی بُرا کہے، یہ اُن کو کسی طور گوارا نہ تھا۔ وہ اُن بُرے لڑکوں کو ''گندے لڑکے'' کا خطرناک خطاب دیا کرتے تھے اور ارسلان سے کہتے:

''ارسلان، پتا ہے وہ نا بڑے والے انکل جتنے لڑکے بہت دن سے فیل ہو رہے ہیں۔ ابا بھی اُن کو پاس نہیں کر سکتے۔۔۔ حالانکہ میرے ابا تو کسی بھی بچّے کو فیل نہیں کرتے ہیں، لیکن وہ لڑکے اپنی کاپی میں پوری الف بے پے۔۔۔ بھی نہیں لکھ کر آتے تو ابا کیسے پاس کریں گے اُن کو۔۔۔۔۔۔۔ بابا بتا رہے تھے کہ وہ گندے لڑکے ہیں اور خوشی تو بے لگام گھوڑے کی طرح ہوتی ہے اسے قابو میں کرنا چاہئے نہ یہ کہ ہم ٹیم کے جیتنے کی خوشی میں ہوائی فائرنگ کرتے پھریں۔ اور ارسلان گولی تو اندھی ہوتی ہے!'' اتنا کہہ کر حسن میاں نے اپنی ننھی ننھی جذبات سے پھولتی سانسوں پر قابو پایا۔

ارسلان میاں کو یہ بات سُن کر بہت مزا آیا، بولے:

''حسن یہ بات کس نے کہی کہ گولی اندھی ہوتی ہے؟''

حسن میاں جھٹ بولے:

''میری اماں نے اور کس نے۔۔۔ وہ کہتی ہیں۔۔۔ ارے کلموئے پھر آ گئے اندھی گولیوں سے مارنے۔۔۔ جانے کس کے لختِ جگر کو لگے۔۔۔ ان بے شرموں کی بلا سے۔۔۔۔۔۔ اولاد تو رات دن ایک کر کے پلتی ہے اور یہ ناخلف آن کی آن میں اپنے بھونڈے مذاق سے کسی کے گھر کے چراغ گُل کر دیتے ہیں!''

محمد حسن نوید میاں نے بالکل اماں کے اسٹائل میں پوری بات یاد کر کے بتا دی، اُن کا حافظہ بہت اچھا تھا۔ وہ ٹونٹی تک کے ٹیبل (بیس تک کے پہاڑے) یاد کر چکے تھے۔ ارسلان میاں خوب ہنسے اور بولے:

''حسن تمہارے ابا اور اماں کتنی مزے مزے کی باتیں کرتے ہیں، لیکن اُردو مشکل ہوتی ہے نا ان کی، ہمارے تو دادا اور دادی اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے ہیں!'' ارسلان کا حسرت اور غم زدہ لہجہ محسوس کر کے حسن میاں اپنا ننھا سا دل مسوس کر رہ گئے اور بولے:

''تو کیا ہوا۔۔۔۔۔ تم ہمارے ہاں آ جایا کرو ارسلان..... میں اپنے ابا اور اماں سے تمہاری آسان اُردو میں باتیں کرا دوں گا

اور پتا ہے کہ ہم ابا اور اماں سے انگریزی اور اُردو بھی سیکھ لیں گے تاکہ جب ہم بڑی جماعتوں کا امتحان دیں تو ہمیں اچھے نمبر لینے میں آسانی ہو!''

ارسلان میاں سوچ کر بولے: ''ہوں، یہ تو ٹھیک ہے، اچھا میں ماما سے پوچھ کر بتاؤں گا آج شام کو.....''

دونوں دوستوں نے ہاتھ ملایا اور اللہ حافظ کہہ کر اپنے اپنے گھروں میں داخل ہوگئے۔

گھر آکر حسن میاں نے دیکھا کہ ابّا چائے پی رہے ہیں اور ساتھ ساتھ بُرے بُرے منہ بھی بنا رہے ہیں۔ اتنے میں برابر واقع باورچی خانے سے سعد میاں بھی تشریف لے آئے، ان کے ہاتھ میں ایک سفید پیڑا تھا جسے وہ ماما کی نقل کرتے ہوئے آٹے کے پیڑے کی طرح اپنی ننھی ہتھیلیوں کے درمیان دبا دبا کر روٹی کے پیڑے کی طرح بڑھا رہے تھے اور حسن کو دیکھتے ہی بولے:

''بھائی۔۔۔اوٹی۔۔۔تھپ۔۔۔پکانا۔۔۔'' یعنی بھائی میں تھپ تھپ کر کے روٹی پکا رہا ہوں۔ ابّا یہ سُن کر چائے پیتے پیتے ہنسے۔

'' ٹھا ٹھا ٹھا۔۔۔ہاہاہاہا۔۔۔ہوہوہوہو۔۔۔ہی ہی ہی ہی !!!!!!'' چائے کی پیالی زور زور سے ہلنے لگی۔

حسن میاں حیرت سے بولے: '' سعد یہ تو بابا کی مٹھائی ہے تمہاری پٹائی ہو جائے گی، بابا کھانے کے بعد کھاتے ہیں۔ رکھ دو اس کو۔۔۔'' سعد نے بُرے بُرے منہ بنائے اور کوئی نوٹس نہ لیا۔

''بھائی۔۔۔روٹی۔۔۔کھانا۔۔۔بابا۔'' یعنی بابا آنے والے ہیں، اُن کے لیے کھانا پکا رہا ہوں۔

ابا اور ہنسے، اچانک چائے پیتے ہوئے پھر بُرے بُرے منہ بنانے لگے۔

حسن میاں نے پوچھا: '' ابا آپ چائے پیتے ہوئے رو کیوں رہے ہیں؟''

ابا اچانک ہنسے اور بولے: '' مُنے میاں۔۔۔ابھی تو نہیں رو رہا البتہ کچھ دنوں اگر یہی پھیکی چائے پیتا رہا تو باقاعدہ رونے لگوں گا!'' ابا مسکرائے۔

'' آپ پھیکی چائے کیوں پی رہے ہیں ابا؟'' حسن میاں نے حیرت سے پوچھا۔

'' مُنے میاں! ہمیں شُوگر کی بیماری ہوگئی ہے اور ڈاکٹر صاحب نے بتایا ہے کہ خالی پیٹ ناشتے سے پہلے اور رات کو کھانے سے پہلے خوب پیدل چلو۔۔۔۔ہم میدان میں خوب چلتے ہیں تمہاری اماں کے ساتھ، یعنی '' واک'' کرتے ہیں اور ڈاکٹر صاحب کے مشورے کے مطابق پھیکی چائے پیتے ہیں۔''

محمد حسن نوید میاں کا ننھا سا دل دُکھنے لگا کہ اُن کے پیارے ابا کو یہ کون سی بیماری ہوگئی ہے، ابا تو اتنے اچھے ہیں اور کسی کا بھی بُرا نہیں چاہتے، پیدل چلتے ہیں، صاف اور سادہ غذا کھاتے ہیں، نماز کی پابندی کرتے ہیں اور میٹھا اُن کو بہت پسند ہے۔ حسن میاں کو یاد آیا کہ انوار چاچو کے ولیمے میں ابا نے کھیر ہی کھائی تھی اور کھیر ہی سے روٹی کھائی تھی۔

''ابا۔۔۔آپ میٹھا بہت کھاتے ہیں نا۔۔۔۔۔''

''کہاں کھاتے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔دیکھو ۔۔۔۔۔۔۔۔بالکل پھیکی چائے پی رہے ہیں۔۔۔ہاں البتہ ایک ترکیب ہوسکتی ہے چائے کو میٹھا کرنے کی!'' ابا بھی حسن میاں کے ''ابا'' تھے آخر چہرے سے بھانپ گئے کہ حسن میاں اُن کی حالت دیکھ کر پریشان ہوگئے ہیں، سعد میاں بھی ہکا بکا کھڑے تھے، چائے سے تو اُن کو دل چسپی نہ تھی، دل چسپی تو اس بات سے تھی کہ اُن کے ابّا چائے پھیکی پی رہے ہیں۔

''وہ ترکیب کیا ہے ابا؟'' حسن میاں نے بے تابی سے پوچھا۔

ابا مُسکرائے اور سوچنے کی اداکاری کرتے ہوئے بولے: ''ہاں میاں یاد آیا۔۔۔۔ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ اگر چائے کے ساتھ ساتھ دو ایسے بچوں کے میٹھے میٹھے گال پر پیار کرلوں جن کی سکولوں کی چھٹیاں ہو چکی ہوں اور جنہوں نے اپنا ہوم ورک بھی کرلیا ہو تو میری چائے شہد جیسی میٹھی ہوسکتی ہے!''

''تو ابا اس سے آپ کو کوئی نقصان تو نہیں ہوگا؟'' حسن میاں نے پوچھا۔

'' ہرگز نہیں ، بلکہ فائدہ ہوگا ۔۔۔۔ہماری شوگر ٹھیک ہوجائے گی اور ہم بھی رات کو کسٹرڈ کھالیں گے۔۔۔۔'' ابّا اتنی بے چارگی سے بولے کہ حسن میاں کا ننھا سا دل پسیج گیا۔ وہ بولے: ''لیکن ابّا، سعد نے تو اپنا ہوم ورک بھی پورا نہیں کیا ہے، دو صفحات اے بی سی ڈی کے رہ گئے ہیں اور یہ جُملے بھی پورے نہیں بولتا ہے! کہیں آپ کی شوگر سعد کو پیار کرنے سے زیادہ نہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوجائے!'' ابا کے اندر تو ہنسی کا طوفان آیا ہوا تھا۔اپنے پوتوں کو ایک نظر دیکھا ، دل ہی دل میں اُن کی لمبی عمر ، صحت اور تعلیم کی دُعائیں کیں اور بولے :

''نہیں میاں ۔۔۔۔۔۔سعد نے جتنا بھی کام کیا ہے اُسی سے ہماری شوگر ٹھیک ہوجائے گی۔۔۔۔'' اتنا سُنتے ہی حسن میاں نے سعد میاں کو حکم دیا:

''سعد۔۔۔ابا کو پیار کرو۔۔۔۔دیکھو بے چارے پھیکی چائے پی رہے ہیں۔۔۔۔۔۔'' سعد میاں تو روٹی پکانے میں مصروف تھے،انھوں نے اپنی ننھی ننھی ہتھیلیاں چکھیں تو وہ اُن کو میٹھی لگیں اور ابا کی طرف اپنی ہتھیلیاں بڑھاتے ہوئے بولے:

''ابا۔۔ جے۔۔۔ جے۔۔۔ میٹھی۔۔۔''یعنی ابا میری ہتھیلیاں میٹھی ہورہی ہیں ان کو پیار کر کے چائے پی لیں۔۔۔۔ابا نے دھیرے سے انھیں قریب کیا اور خوب پیار کیا۔۔۔نرم و ملائم سعد کسمسانے لگے،اب ابا نے بڑے اہتمام کے ساتھ چائے کی چُسکی بھری'' ''آاااا۔۔۔۔واہ۔۔۔۔''

''ابا۔۔۔ہوگئی میٹھی چائے!'' حسن میاں نے بے تابی سے پوچھا۔

''تھوڑی سی رہ گئی ہے، اب تو میرے بڑے شاہ زادے کی باری ہے تاکہ چائے بالکل میٹھی ہوجائے۔''

'' ابا ۔۔۔۔چائے جلدی میٹھی کرلیں ۔۔۔۔میرا دوست ارسلان اپنی ماما سے پوچھ کر کل آنے کے بارے میں بتائے گا،وہ آپ سے اُردو اور انگریزی سیکھے گا تاکہ چھٹیوں میں اس کی اُردو اور انگریزی زبان اچھی ہوجائے!''

'' ہائیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مگر تم نے ہم سے تو پوچھا ہی نہیں کہ ہمارے پاس وقت ہے یا نہیں۔''

''ابا پوچھنے کی کیا ضرورت ہے ، ارسلان بھی میٹھا ہوگا نا تو آپ شام کی چائے کو اُس سے میٹھا کرلیجئے گا۔۔۔۔''

''ٹھاٹھا ٹھاٹھا۔۔۔۔۔۔ ہاہاہاہا۔۔۔ ہو ہو ہو ہو۔۔۔۔ ہی ہی ہی ہی !!!!!'' ابا نے بے اختیار ہنسنے لگے اور اپنے ننھے سے ''معصوم چالاک'' پوتے کو خوب پیار کیا ، دونوں کو دُعائیں دیں اور بولے:

''لو بچو! میری آنکھوں کے نُور۔۔۔۔۔ دل کے سرور۔۔۔ اب دُنیا کا کوئی بھی ڈاکٹر مجھے پھیکی چائے نہیں پلا سکتا ، کیوں کہ میرے پاس تو مہکتے ،خوش بودار ، دین و دُنیا کی خوش بو اور مٹھاس سے رچے بسے پھول موجود ہیں !''

'' ابا ۔۔۔۔۔آپ بچوں کو پیار کیوں کرتے ہیں اتنا؟'' محمد حسن نوید میاں نے پوچھا۔

ابا خوب مُسکرائے اور بولے:'' دیکھو میاں! ہمارے بزرگوں نے ہمیں بچپن میں خوب پیار دیا،توجہ دی ، قدم قدم پر ہماری حفاظت کی ،اچھے بُرے کے فرق سے آگاہ کیا۔اب ہمارا بھی فرض ہے کہ اُن کے پیار کا قرض ادا کریں۔ اپنی آنے والی معصوم اور تازہ دم نسل تک وہ پیار ، قربانیاں ، محبتیں ، اُلفتیں اور چاہتیں مُنتقل کریں جو ہمارے پاس تم بچوں کی امانتیں ہیں، تاکہ کل آپ بھی اپنی نسلوں کو،اپنے سے چھوٹوں کو پیار و محبت کا بھرپور اعتماد دے کر انھیں طاقت ور پاکستانی بنا سکیں اور دُنیا بھر میں پاکستان جیسے پیارے وطن کا نام روشن کرسکیں!'' ابا کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آگئے تھے۔سعد میاں تو اُن کی چائے میٹھی کر کے جا چکے تھے اور حسن میاں کو ارسلان کی بات یاد آگئی کہ حسن تمہارے ابا کتنی مشکل باتیں کرتے ہیں۔۔۔۔۔اچانک حسن کو غصہ آنے لگا ارسلان پر ایک دم دوبارہ سے۔۔۔۔انھیں ابا کی باتیں سمجھ میں آگئی تھیں کہ بڑوں کو بچوں سے پیار کرنا چاہئیے۔۔۔۔۔اب چونکہ اُن کے ابا ایک پروفیسر ہیں ، بہت قابل انسان ہیں تو اتنی مُشکل بات کرنے پر بندے کو تو معاف کردینا چاہئیے ، جیسے اسلامیات کی مِس کبھی کبھی خوش خط آیت نہ لکھنے پر بھی بچوں کو شاباش دیتے ہوئے کہتی ہیں:

''شاباش بچو! آپ نے کوشش تو کی۔۔۔۔۔آئندہ اس سے بھی اچھی اور صاف صاف عربی زبان لکھ کر آیئے گا، چلو ابا کو معاف کیا۔۔۔کیا یاد کریں گے۔۔۔۔۔۔'' اتنا سوچ کر محمد حسن نوید میاں نے بے ساختہ ایک معصوم قہقہہ لگایا اور وہاں سے چل دیئے تاکہ ایسا نہ ہو کہ ابا کی چائے پھر پھیکی ہوجائے اور اب انہیں امّاں اور ماما کو رپورٹ بھی تو دینا تھی کہ انھوں نے اور سعد نے مل کر بے چارے ابا کی پھیکی چائے میٹھی کردی ہے جو بالکل پھیکی چائے پی رہے تھے ، جیسے وہ اور سعد بغیر چینی کے دودھ نہیں پی سکتے تو پھر ابا کیسے چائے پئیں گے۔

حسن میاں نے دُعا کرتے ہوئے کہا:''پیارے اللہ تعالیٰ میرے ابا جان کو ٹھیک کردیں، میرے ابا جان بہت اچھے انسان ہیں۔''

کھیل دس منٹ کا

س	ر	گ	چ	م	ف	ن	و	ل	م
غ	ٹ	و	ا	ث	ع	ل	ب	ق	ٹ
ک	س	گ	ل	ا	م	ا	ل	غ	ظ
ن	و	م	ن	ل	ح	ص	ق	م	ل
ش	ا	ر	ح	م	ن	ب	ا	ل	ر
م	ل	ن	و	ل	ل	ا	ت	ح	و
و	ب	ا	ل	ا	ا	د	ع	ی	ن
ڈ	ر	ی	ن	م	ح	ا	ے	ک	ش
ل	ا	ج	ا	و	س	ل	و	ق	غ
گ	م	ک	ع	ر	د	ت	ش	ح	د

آپ نے حروف ملا کر دس ہم آواز الفاظ تلاش کرنے ہیں۔ آپ ان ہم آواز الفاظ کو دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں، اُوپر سے نیچے اور نیچے سے اُوپر تلاش کر سکتے ہیں۔ آپ کے پاس وقت دس منٹ کا ہے۔ جن ہم آواز الفاظ کو آپ نے تلاش کرنا ہے وہ یہ ہیں۔

حال، بال، جال، چال، وبال، مثال، دال، سوال، مال، رومال۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

تیسرا روزہ

(عمیر احمد، سرگودھا)

مارے پیاس سے اُس کے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔ پیاس سے وہ نڈھال ہو چکا تھا۔ آج اُس کا تیسرا روزہ تھا۔ سکول سے گرمی کی چھٹیاں تھیں۔ وہ صبح کے وقت ایک قریبی ٹیوشن سنٹر

میں پڑھنے کے لیے جاتا تھا۔ سحری کے وقت ہی موسم خاصا گرم تھا۔ بجلی کی لوڈ شیڈنگ کے باعث بہت مشکل کا سامنا تھا۔ جب وہ چھت سے نیچے آیا تو امی جان سحری بنانے اور ابا جان قرآن مجید پڑھنے میں مصروف تھے۔ وہ ہاتھ منہ دھو کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ اب سحری کا وقت ختم ہونے میں کچھ ہی دیر باقی تھی۔ سب گھر والوں نے سحری کی اور فجر کی نماز پڑھ کر سو گئے۔ نعمان کی آنکھ کھلی تو سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ اس کے ماتھے پر پسینہ تھا۔ وہ اٹھا اور ٹیوشن سنٹر جانے کی تیاری کرنے لگا۔ آدھ گھنٹہ بعد وہ ٹیوشن سنٹر میں موجود تھا۔ سر تنویر نے جب اُس سے پوچھا کہ کیا تمہارا روزہ ہے تو اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر دیگر طلبہ کے آنے پر پڑھائی کا سلسلہ شروع ہوا۔ دو گھنٹے تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ نعمان کو ہلکی ہلکی پیاس محسوس ہونا شروع ہو گئی تھی۔ اس نے پہلے جو دو روزے رکھے تھے تب موسم اتنا گرم نہیں تھا۔ تب تو سارا دن ہوا چلتی رہی تھی۔ ٹیوشن سے واپس آ کر وہ کمرے میں لیٹا ہی تھا کہ بجلی چلی گئی۔ ان کا یو پی ایس کچھ دنوں سے خراب تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں نعمان پسینے میں شرابور ہو چکا تھا۔ گرمی سے پیاس کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔ نمازِ ظہر تک پیاس مزید شدت اختیار کر گئی تھی۔ اب اس کے لیے پیاس کو برداشت کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ وہ اُس وقت اپنے کمرے میں اکیلا تھا۔ میز پر پانی سے بھرا جگ پڑا تھا۔ وہ کچھ سوچ کر جگ کی طرف بڑھا۔ اُس نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ امی جان صحن میں نہیں تھیں۔ ابو جان ابھی دفتر سے نہیں آئے تھے۔ اس کی پیاس کی شدت میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اُس نے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلا۔ اُس نے گلاس کو پکڑ کر یونہی پانی پینا چاہا ایک آواز اُس کے کانوں میں پڑی۔

''نعمان! ایسا مت کرو۔''

نعمان نے یہ آواز سن کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُسے کمرے میں کوئی بھی دکھائی نہ دیا۔ وہ دوبارہ پانی پینے لگا تو پھر اُس کے کانوں میں یہ آواز پڑی۔

''نعمان! یہ گناہ مت کرو، روزہ مت توڑو۔''

''کون ہو تم؟'' نعمان نے دائیں بائیں، دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''میں وہی ہوں جس کو تم سحری کے وقت سے لے کر اب تک اپنے ساتھ لیے لیے پھر رہے ہو، اتنا وقت گزارنے کے بعد اب جب کہ چند گھنٹے باقی ہیں تم مجھے خود سے جدا کرنا چاہتے ہو۔''

''وہ..... وہ پیاس.....'' نعمان اتنا ہی کہہ سکا۔

''میں یہی احساس دلانے کے لیے تو انسانوں کے درمیان آتا ہوں کہ بھوک پیاس کو برداشت کرنا بہ ظاہر کتنا مشکل کام ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اپنے خالق کی خوش نودی کے لیے سحر سے افطار تک نہ کوئی چیز کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں۔ ایسا

کرنے والے ہی میرا حق ادا کرتے ہیں۔''

''میں اگر پانی کے چند گھونٹ پی لوں گا تو مجھے بھلا کون دیکھے گا، یہاں کوئی بھی تو نہیں ہے جو مجھے دیکھ سکے۔''

''تم ٹھیک نہیں سوچ رہے، اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، وہ انسانوں کے ایک ایک عمل کو دیکھ رہا ہے۔ تم پانی پیو گے تو کوئی انسان تمہیں ایسا کرتے دیکھے یا نہ دیکھے خالقِ کائنات تمہیں ضرور دیکھ رہا ہے، تم ایسا کرو گے تو میں بھی یہاں سے چلا جاؤں گا۔ میں تم سے ناراض ہو جاؤں گا۔'' یہ کہہ کر روزہ خاموش ہو گیا۔ نعمان نے کچھ سوچ کر پانی کا گلاس میز پر رکھ دیا۔ اُس نے اپنا فیصلہ بدل لیا تھا۔ اُس کے ایسا کرنے کی دیر تھی کہ روزہ بھی خوش ہو گیا۔ نعمان نے افطاری تک نہ کچھ کھایا اور نہ پیا۔ افطاری کے وقت جب اُس نے پانی کا گھونٹ اپنے حلق سے نیچے اتارا تو اُسے راحت کا احساس ہوا تھا۔ اُس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس نے اُسے روزہ رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائی تھی۔ نعمان کے عمل سے روزہ بھی بہت خوش تھا۔

(پہلا انعام: 200 روپے کی کتب)

باجی

(محمد زبیر ارشد، ملتان)

باجی بہت ذہین، معصوم اور سب کا خیال رکھنے والی تھیں۔ ان کا اصل نام تو قدسیہ تھا، مگر گھر بھر کیا، محلے اور خاندان میں بھی ہر کوئی انہیں باجی کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔ محلے کے بچے ہر وقت اُن کے گرد جمع رہتے تھے۔ شام کے وقت کئی بچے اُن سے پڑھنے کے

لیے آتے تھے۔ وہ تمام بچوں کو بغیر فیس کے پڑھاتی تھیں۔ وہ ان دنوں ایم اے کے امتحان کی تیاری کر رہی تھیں۔ عیدین اور قومی تہواروں پر وہ بچوں میں تحائف تقسیم کرتیں۔ ان کو مصوری کا شوق تھا۔ عید کے موقع پر اپنے ہاتھ سے کارڈ بنا کر بچوں کو دیتی تھیں۔

ایک روز ان کے گھر میں بچے جمع تھے۔ بچوں کے دو گروہ بنے ہوئے تھے۔ کوئی کرکٹ کھیل رہا تھا اور کوئی کیرم بورڈ، کوئی بچہ لڈو کھیلنے میں مصروف تھا تو کوئی کتاب پڑھتا دکھائی دے رہا تھا۔ کرکٹ کھیلتے ہوئے اچانک محمد علی اور عبدالحنان آپس میں لڑنے لگے۔ باجی ان کو لڑتا دیکھ کر آگے بڑھیں اور کو لڑنے سے منع کرتے ہوئے بولیں:

''اچھے بچے آپس میں نہیں لڑتے، چلو ایک دوسرے سے ہاتھ ملاؤ۔''

دونوں نے باجی کے کہنے پر آپس میں صلح کر لی۔

بلال تین چار دنوں سے باجی کے گھر نہیں آ رہا تھا۔ باجی نے امتیاز کو بھیج کر بلال کو بلایا تو وہ کچھ اداس تھا۔ باجی نے اداسی کی وجہ پوچھی تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ باجی نے فوراً اس کے آنسو پونچھے۔

''رومت، بتاؤ کیا ہوا ہے؟''

''باجی! میں چور نہیں ہوں۔'' بلال کی آنکھوں میں بدستور آنسو تھے۔

''تمہیں چور کہہ کون رہا ہے؟'' باجی نے سوال کیا۔

''ذیشان نے کلاس میں کہا ہے کہ میں چور ہوں، اُس کا کہنا ہے کہ میں نے اُس کی سائنس کی کتاب چوری کی ہے، باجی میں نے ایسا نہیں کیا۔'' یہ کہتے ہوئے بلال روتے ہوئے سسکیاں بھرنے لگا۔ باجی نے تھوڑی دیر میں ذیشان کو بھی بلا لیا۔ ذیشان اب بلال کو گھور رہا تھا۔

''اس طرح رونے سے تم بے گناہ ثابت نہیں ہو جاؤ گے، تم نے میری سائنس کی کتاب چرائی ہے۔''

''میں پہلے بھی تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں نے ایسا نہیں کیا۔'' بلال نے کہا۔

''تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تمہاری سائنس کی کتاب بلال نے چرائی ہے؟'' باجی نے سوال کیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''باجی! میری سائنس کی کتاب اس کے بیگ سے ملی ہے۔''

''یہ کسی نے شرارت کی ہے، میں نے کتاب نہیں چرائی۔'' بلال گڑگڑایا۔

جب یہ باتیں جاری تھیں تو باجی نے دیکھا کہ سمیر کیرم بورڈ کھیلتے ہوئے بلال کو روتا دیکھ کر ہنس رہا تھا۔ باجی نے سمیر کو ہنستے ہوئے کئی بار دیکھا تھا۔

''اچھا میں دیکھتی ہوں کہ بلال نے کتاب چرائی ہے یا نہیں، اب تم لوگ جاؤ۔'' باجی کے کہنے پر بچے واپس جانے لگے تو باجی نے سمیر کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا۔

''جی باجی! کیا بازار سے کچھ لانا ہے؟'' سمیر نے پوچھا۔

''نہیں، میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں، وعدہ کرو میں جو کچھ پوچھوں گی تم سچ سچ بتاؤ گے۔''

''جی باجی! پوچھے آپ کیا پوچھنا چاہتی ہیں۔''

''ذیشان کی سائنس کی کتاب بلال کے بیگ میں کیسے پہنچی ہے؟'' باجی نے سمیر کو گھورتے ہوئے سوال کیا۔

''وہ..... وہ..... باجی..... میں..... میں نے تو ایسا نہیں کیا۔''

''تم سچ بولنے کا وعدہ کرنے کے باوجود جھوٹ بول رہے ہو، یہ جان لو کہ جھوٹ تمام برائیوں کی جڑ ہے، جھوٹ مت بولو جو بات سچ ہے مجھے بتا دو۔'' باجی کے پیار بھرے لہجے سے سمیر نے انہیں سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔ اگلے دن بلال اور ذیشان کی موجودگی میں سمیر نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ سچ بولنے پر دونوں نے سمیر کو معاف کر دیا۔ باجی بہت خوش تھیں۔

ایک روز باجی پڑھ رہی تھیں کہ چکرا کر صحن میں گر گئیں۔ ابو جان فوراً ڈاکٹر کو لے آئے۔ ڈاکٹر نے معائنے کے بعد بتایا کہ خطرے کی کوئی بات نہیں، بس گرم موسم کے باعث ایسا ہوا ہے۔ یہ ٹھنڈے مشروب پئیں اور آرام کریں تو جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔ محلے کے بچوں کو جب باجی کے چکرا کر صحن میں گرنے کا پتہ چلا تو وہ فوراً ان کے گھر آ گئے۔ اب ہر بچے کی زبان پر باجی کے لیے دُعائیں ہی دُعائیں تھیں۔ باجی بچوں کی دُعاؤں کے جواب میں انہیں بھی دُعائیں دے رہی تھیں۔ باجی جب صحت یاب ہو گئیں تو بچوں نے شکرانے کے نفل پڑھے۔

(دُوسرا انعام: 175 روپے کی کتب)

خواب

(عائشہ انعم، لاہور)

پرندوں کے شور سے اُسے اپنے کانوں کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ چیخنا چاہتا تھا، مگر آواز اُس کے حلق سے نہیں نکل رہی تھی۔ وہ مسلسل بھاگ رہا تھا اور بار بار فضا میں اڑتے پرندوں کو خوف زدہ نظروں سے تکتا جا رہا تھا۔ مارے خوف سے اس کے چہرے کی رنگت زرد پڑ گئی تھی۔ ایک کوا اس کی طرف بڑھا اور اُس نے اپنی چونچ اتنی زور سے اس کے سر پر ماری کہ وہ

درد سے بلبلا اٹھا۔ کوے کے بعد ایک طوطا بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اس کی طرف بڑھا۔ اُس نے طوطے سے بچنے کی بہت کوشش کی مگر بے سود۔ طوطے نے اپنی چونچ سے اس پر پے در پے حملہ کیا۔ طوطے سے بچنے کے لیے وہ دائیں طرف مڑا تو ایک درخت سے ٹکرا گیا۔ بھاگنے کے باعث اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ وہ اٹھنے لگا تو چکرا کر گر گیا۔ اب اُس کی آنکھیں بند تھیں۔ کچھ دیر بعد اُس نے آنکھیں کھولیں تو پرندے بدستور اس کے سر پر منڈلا رہے تھے۔ اُس کو ایک ایک پرندے کی پہچان تھی۔ یہ وہی پرندے تھے جن کو اُس نے تنگ کیا تھا۔ اُن کے گھونسلوں کو توڑا تھا۔ وہ کوا جو بار بار اس پر حملہ کر رہا تھا اس کو اس نے ایک رسی سے باندھ کر

WWW.PAKSOCIETY.COM

ایک درخت سے لٹکا دیا تھا۔ کوے کی کائیں کائیں پر بھی اس کا دل نرم نہیں ہوا تھا۔ کوا اسی حالت میں مر گیا تھا۔ اس نے درخت کے نیچے لیٹے لیٹے دیکھا کہ تمام پرندے مل کر اس کی طرف بڑھے۔ اب اُس کے لیے ان پرندوں سے بچنا ممکن نہ تھا۔ جب پرندوں نے مل کر اس پر حملہ کیا تو وہ بے اختیار چلّایا۔

''مجھے بچاؤ، مجھے بچاؤ، میں اب پرندوں کو تنگ نہیں کروں گا۔''

اس کا یہ جملہ سن کر امی جان فوراً کمرے میں آئیں۔ انہوں نے دانیال کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''لگتا ہے تم نے کوئی خواب دیکھا ہے۔''

''جی..... جی..... امی جان میں نے ایک بھیانک خواب دیکھا ہے۔'' پھر دانیال نے خواب کی تفصیل امی جان کو بتا دی۔ امی جان نے ساری بات سن کر کہا۔

''میرے بیٹے! اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تم آئندہ کسی بے زبان کو تنگ نہ کرنا اگر تم ایسا کرو گے تو دوبارہ تمہیں ایسا خواب دکھائی نہیں دے گا۔''

''امی جان! میں آئندہ پرندوں کو تنگ نہیں کروں گا، میں پرندوں کو تنگ کر کے بہت بُرا کام کرتا رہا ہوں، میں اب پرندوں سے پیار کروں گا۔'' دانیال کی بات سن کر امی جان نے اُسے شاباش دی اور جی بھر کر دُعائیں دیں۔

(تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب)

محبت

(حمیرا، چنیوٹ)

مولانا ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حج کے بعد مدینہ منورہ گیا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب سعودی عرب میں آج کی طرح دولت کی ریل پیل نہ تھی اور اس ملک کی معیشت کا دارومدار زیادہ تر حج کے موقع پر آنے والے حاجیوں سے ہونے والی آمدنی پر تھا۔ تمام لوگ بہت غریب تھے اور بڑی مشکل سے ان کا گزارا ہوتا تھا۔ ہم لوگوں نے کھانا کھانے کے بعد دسترخوان کو ایک ڈھیر پر جھاڑ دیا تاکہ بچے کھچے روٹی کے ٹکڑوں اور ہڈیوں کو کیڑے اور جانور کھا جائیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب میں اپنے کمرے سے باہر نکلا تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ آٹھ نو سال کا ایک خوب صورت بچہ ان ٹکڑوں کو چن چن کر کھا رہا ہے، مجھے بہت افسوس ہوا۔ میں بچے کو لے کر قیام گاہ میں آیا اور اُسے پیٹ بھر کر کھانا کھلایا کیوں کہ میں محبوبِ خدا کے گھر میں تھا۔ وہ میرے اس برتاؤ کو دیکھ کر بے حد متاثر ہوا۔ میں نے چلتے وقت اس سے پوچھا: ''بیٹا! تمہارے والد کیا کام کرتے ہیں؟'' اس نے کہا: ''میں یتیم ہوں۔'' میں نے کہا: ''بیٹا! تم میرے ساتھ ہندوستان چلو گے، میں وہاں تمہیں اچھے اچھے کھانے کھلاؤں گا، عمدہ عمدہ کپڑے پہناؤں گا، اپنے مدرسے سے تمہیں تعلیم دلواؤں گا، جب تم عالم بن ہو جاؤ گے تو میں خود تمہیں یہاں لے کر آؤں گا اور تمہیں تمہاری والدہ کے سپرد کر دوں گا، تم جاؤ اور اپنی والدہ سے اجازت لے آؤ۔''

لڑکا بہت خوش ہوا اور اچھلتا کودتا اپنی والدہ کے پاس آیا۔ بے چاری بیوہ دُوسرے بچوں کے اخراجات سے پہلے ہی پریشان تھی۔ اس نے فوراً اجازت دے دی۔ بچہ فوراً آیا اور مولانا کو بتایا کہ میں آپ کے ساتھ جاؤں گا، میری ماں نے اجازت دے دی ہے پھر وہ پوچھنے لگا: ''آپ کے شہر میں چنے ملتے ہیں جو یہاں ملتے ہیں۔'' مولانا نے فرمایا: ''بیٹا! یہ ساری چیزیں آپ کو وہاں وافر مقدار میں ملیں گی۔'' مولانا کا بیان ہے کہ میری انگلی پکڑے وہ بچہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں میرے ساتھ آیا اور سرکار دو عالم ﷺ کے روضے اور مسجد کے دروازے کو دیکھ کر کہنے لگا:

''بابا! یہ روضہ، بابا یہ دروازہ بھی وہاں ملے گا؟''

میں نے اس سے کہا: ''بیٹا! اگر یہ وہاں ہوتا تو میں یہاں کیوں آتا۔'' لڑکے کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اُس نے میری انگلی چھوڑ دی اور بولا: ''اگر یہ وہاں نہیں ملے گا تو میں ہرگز..... ہرگز اس روضے کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا، میں بھوکا رہوں گا، پیاسا رہوں گا، اس روضے اور دروازے کو دیکھ میں اپنی بھوک اور پیاس اسی طرح بجھاتا رہوں گا، جس طرح آج تک بجھاتا رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر بچہ رونے لگا اور اس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت کو دیکھ کر میں بھی رونے لگا۔

(اعزازی تحریر)

WWW.PAKSOCIETY.COM

لاٹری

محمد فاروق وانش

نومی نے سدرہ کو منانے کی بہت کوشش کی، لیکن سدرہ ضد کی پکی تھی۔ وہ ایک بار کسی بات کے بارے میں سوچ لے اور وہ پوری نہ کی جائے تو پھر ایک قیامت ہی تو تھی جو گزر جایا کرتی تھی۔ بات صرف یہ تھی کہ نومی کا خیال تھا کہ دس روپے کی آئس کریم لے کر کھائی جائے جب کہ سدرہ کو دُکان پر نظر آ گئی تھی ایک لاٹری۔ اور اب وہ اس بات پر مصر تھی کہ وہ یہ لاٹری کھول کر کوئی انعام حاصل کر لے۔

''دیکھو سدرہ! اگر تم نے دس روپے کی لاٹری کھول لی اور اس میں تمھارا کوئی انعام بھی نہ نکلا تو تو تمھارے دس روپے بھی جائیں گے اور تم رہو گی بھی خالی ہاتھ۔'' نومی نے اُسے سمجھانے کی بھرپور کوشش کی۔

''نہیں.... مجھے تو بس یہ پستول چاہیے۔'' وہ رو دینے والے انداز سے انگلی سے اُس پستول کی طرف اشارہ کر رہی تھی جو اس لاٹری کے بیچوں بیچ لگا ہر آنے والا بچے کی توجہ اپنی جانب کھینچ رہا تھا۔ سدرہ کی بھی دل چسپی اسی میں تھی۔

''مان جاؤ نا گڑیا!'' اس نے اپنی منی سی بہن کو سمجھانے کی بھرپور کوشش کی، لیکن وہ بچہ ہی کیا جو بات آسانی سے سمجھ جائے۔ نومی جانتا تھا کہ اس لاٹری میں لگے بیس انعامات تو صرف بیس بچوں کو ملیں گے، اس کے علاوہ دو سو سے تین سو بچے تو بے وقوف ہی بنیں گے۔ درمیان میں لگا انعام تو عموماً دُکان دار کا ہوتا ہے۔ یوں اس طرح کی لاٹریوں کے بنانے والے اور اس کے بیچنے والے تو بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں جب کے اس کھیل کو کھیلنے والے بچے ہر صورت نقصان کا شکار ہوتے ہیں۔ مشکل سے اپنی چیز کے خریدنے کے لیے ملنے والے پیسے بھی وہ اپنی حماقت کے باعث کھو دیتے ہیں۔

سدرہ دیکھ رہی تھی کہ بچے لاٹری کھول رہے ہیں اور دُکان دار اپنے ڈبے میں بچوں سے ملنے والی رقم ڈال کر مسلسل اس کا وزن بڑھا رہا تھا۔ نظر آ رہا تھا کہ ۲۵، ۳۰ پرچیوں کے کھلنے کے بعد دو چار چھوٹے موٹے انعام ہی نکلتے تھے۔ بچے وہ چھوٹے انعامات پا کر ہی ایسا شور مچاتے جیسے کہ انھوں نے کوئی بڑا امتحان پاس کرنے کے بعد گولڈ میڈل حاصل کر لیا ہو۔ نومی تو یہ سب کچھ دیکھ دیکھ کر اکتا رہا تھا جب کہ سدرہ یہ سب کچھ دیکھ کر بے حد خوش ہو رہی تھی۔

آخر کار اس سے بھی نہ رہا گیا اور اس نے اپنا دس روپے کا نوٹ دُکان دار سلیم کے حوالے کر دیا۔ اب وہ اس ڈبے کی طرف آ چکی تھی جس میں سے سب بچے پرچیاں نکال رہے تھے۔ اس کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

پاس پانچ پرچیاں نکالنے کا چانس تھا۔ پہلی پرچی خالی' دُوسری خالی' تیسری اور چوتھی بھی خالی دیکھ کر سدرہ کو ان جانا سا خوف محسوس ہوا۔ پھر اس نے پورے ڈبے میں ہاتھ گھما کر آخری پرچی نکالی۔ اس پرچی پر اسپائیڈر مین کا ماسک نکل آیا۔ اب تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ فرطِ مسرت سے چلاّ اُٹھی۔

نومی جانتا تھا کہ یہ ماسک بازار سے پانچ روپے کا مل جاتا ہے جب کہ سدرہ نے یہ ماسک دس روپے کی لاٹریاں کھول کر حاصل کیا تھا۔ گویا وہ پانچ روپے کا نقصان کر کے بھی خوش تھی۔ کیسے عجیب ہوتے ہیں یہ بچے بھی؟

''تمھیں یہ لاٹریاں کھلوا کر افسوس نہیں ہوتا۔''

نومی نے دُکان دار سے پوچھا۔

''افسوس ہوتا تو ہے، لیکن کیا کریں .....'' دُکان دار اِدھر اُدھر نظریں گھماتا ہوا بولا۔ ''ہمیں بچوں کی دل چسپی کی خاطر یہ سامان بھی رکھنا پڑتا ہے۔''

''تم بچوں کو سمجھا نہیں سکتے۔'' اس نے ایک اور سوال داغ دیا۔

''میں دُکان داری کروں یا بچوں کو اخلاقی درس دینا شروع کردوں۔''

دُکان دار نے قدرے چڑ کر کہا۔ وہ نومی کے بے تکے سوالات سے پریشان سا ہو گیا تھا۔ اس نے اب اس کی طرف توجہ دینے کے بجائے دُوسرے بچوں کی طرف رخ کر لیا تاکہ وہ اس سے مزید سوالات نہ کر سکے۔ پھر نومی، سدرہ کو لے کر دُکان سے نکل گیا۔

☆☆☆☆☆

وہ اپنا حساب کرنے میں مصروف تھا۔ اس نے اپنے شوکیس کی ہر دراز میں موجود رقم نکال کر ایک جگہ جمع کی اور اسے گننے لگا۔ تمام رقم گنی تو وہ کُل چوبیس سو روپے بنی۔ یہ اس کی آج دن بھر کی سیل تھی۔ بچوں کی ٹافیوں کے ساتھ ساتھ اس کے ہاں لاٹری پر بھی بچوں کا بڑا رش رہتا تھا اور یوں اس کی سیل خوب ہوتی تھی۔ لاٹری کھلوانے میں منافع زیادہ ہوتا تھا۔ اس نے رقم گننے کے بعد گھڑی پر نظر ڈالی۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا اس کے بعد باہر کی طرف نظر ڈالی۔ اب بچوں کی آمدورفت تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ دُکان بند کرنے کا وقت بھی ہو چکا تھا۔

دُکان بند کر کے اس کا رخ سلمان کے گھر کی جانب تھا۔ وہ ان کے ہاں دو ہزار روپے ماہانہ کی کمیٹی ڈالا کرتا تھا۔ یہ رقم ہر ماہ کی دس تاریخ تک لازماً جمع کرانا ہوتی تھی ورنہ دو سو روپے جرمانہ ہوتا تھا۔ آج دس تاریخ تھی اور اسے کمیٹی کی رقم ہر صورت سلمان تک پہنچانا تھی۔ اس کمیٹی کے ممبران کی تعداد پچاس تھی اور اس کی کُل رقم ایک لاکھ روپے تھی۔ سلیم بھائی کا ایک لاکھ روپے ملنے کے بعد اپنے مکان کی تعمیر کا ارادہ تھا۔ یہ محض اتفاق ہی تھا کہ اسے جس قدر

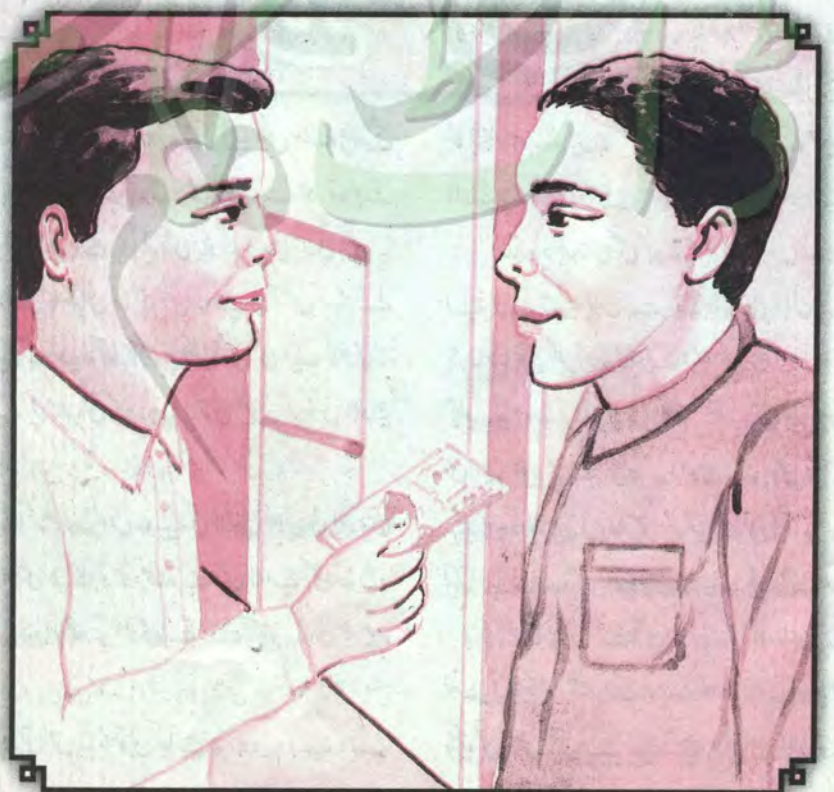

WWW.PAKSOCIETY.COM

شدت سے اپنی کمیٹی نکلنے کی تمنا تھی وہ اس سے اتنی ہی دُور ہوتی جا رہی تھی۔ پچاس مہینوں کی اس کمیٹی میں وہ اب تک 44 ماہ کمیٹی کی رقم ادا کر چکا تھا۔ قسمت تھی کہ اب بھی اس کی یاوری نہیں کر رہی تھی۔ کچھ بھی ہو اسے یہ تو یقین تھا کہ اگر پانچ اور بار بھی اس کی کمیٹی نہ نکلی تو آخری کمیٹی تو اسی کی ہوگی۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا سلمان بھائی کے گھر پہنچا تو اس نے دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ اس نے 2 ہزار روپے اس کے حوالے کیے۔ سلمان نے اسے ڈرائنگ روم میں بیٹھنے اور چائے نوش کرنے کی پُر خلوص آفر کی، لیکن اس وقت اسے بھوک شدید لگی ہوئی تھی۔ اب وہ کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر گھر پہنچ جانا چاہتا تھا۔ وہ اس سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔

مہینہ بڑی تیزی سے گزر گیا اور اس کی 45 ویں کمیٹی کی رقم جمع کرانے کا وقت بھی آن پہنچا۔ اس نے دُکان سے دو ہزار روپے لیے اور خوشی خوشی سلمان کے گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔ وہ سلمان کے گھر پہنچا تو ایک مشکل نے اس کو گھیر لیا۔ سلمان کے گھر پر ایک بڑا سا تالا لگا ہوا تھا۔ پچھلے کئی مہینوں سے وہ کمیٹی کی رقم یہاں جمع کرانے آ رہا تھا اور کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ سلمان اپنے گھر پر نہ ملا ہو۔

''بھائی صاحب! یہ سلمان بھائی کہاں گئے ہیں؟'' اُس نے برابر والے مکان کے دروازے پر دستک دی۔

''سنا ہے اس کے گاؤں میں کوئی فوت ہو گیا ہے۔ اس لیے یہ وہاں گیا ہوا ہے۔''

پڑوسی کی زبانی وہ یہ سن کر گھر آ گیا۔

اگلے روز اُس نے سلمان کا نمبر تلاش کر کے اسے فون کرنے کی کوشش کی گئی، لیکن اس کا نمبر بند تھا۔ سلیم کی بیگم کا خیال تھا کہ صدمے کی وجہ سے اکثر لوگ اپنا فون بند رکھتے ہیں۔ سلمان کا فون کئی روز تک بند رہا جس سے سلیم کا پریشان ہونا لازمی امر تھا۔

سلمان کے بارے میں سب فکر مند تھے اور اس کے بارے میں جاننا چاہتے تھے۔ سلمان یہاں کا مقامی رہائشی نہیں تھا۔ وہ پانچ سال قبل اس علاقے میں آ کر آباد ہوا تھا۔ کمیٹی کے حوالے سے وہ خاصا معروف ہو گیا تھا۔ وہ انتہائی دیانت داری سے رقم جمع کرتا اور جس کی کمیٹی نکلتی اسے رقم دیتا۔ اس کی اس شہرت کے باعث اس کے پاس کمیٹیوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ ایک ہی وقت میں وہ چار چار، پانچ پانچ کمیٹیاں چلا رہا تھا اور لوگ اس سے بہت خوش تھے۔

اب کسے معلوم تھا کہ سلمان یوں اچانک کسی کو بتائے بغیر اپنے گاؤں واپس چلا جائے گا، تمام افراد نے اپنے اپنے طور پر اُس سے رابطہ کرنے کی بھرپور کوشش کی، لیکن کسی کو بھی خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ جس مکان میں وہ کرایہ پر رہتا تھا۔ چھٹی والے روز تین چار متاثرین، مکان مالک کا پتا معلوم کر کے اس کے گھر جا پہنچے۔

''مجھے زیادہ معلومات تو نہیں ہیں کہ وہ مستقل طور پر کہاں کا رہائشی ہے۔'' مکان مالک نے بتایا۔ ''ہاں! لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اس نے مجھ سے پچھلے ہی ماہ مکان کے تمام معاملات صاف کر لیے تھے۔ وہ یہ مکان خالی کر کے اپنے گاؤں جا چکا ہے۔''

کمیٹی کے متاثرین کی تعداد خاصی تھی اور رقم لاکھوں میں بنتی تھی۔ سلمان کے فراڈ کا سن کر سلیم کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ وہ بچوں کو دو دو روپے والی لاٹری کھلوا کر ان کی جیبوں سے نکلوانے والی رقم سلمان کے حوالے کر رہا تھا اور وہ کئی افراد کی رقم لے کر فرار ہو چکا تھا۔ اب اس رقم کے ملنے کی کوئی صورت بھی نہ تھی۔

☆☆☆

سنہری باتیں

- تعریف کے قابل وہ شخص ہے جو غرور و تکبر جیسی لعنت سے پاک ہو۔
- تنگ دستی پر صبر کرنے والوں کو فراخ رزق ملے گا۔
- اپنی حیثیت کے مطابق صدقہ دینا احسن عمل ہے۔
- زندگی استاد سے بھی زیادہ سخت ہوتی ہے، استاد سبق دے کر امتحان لیتا ہے اور زندگی امتحان لے کر سبق دیتی ہے۔
- کم بولنا دانش مندی ہے۔
- نیکی کی روشنی سے بدی کے اندھیرے کو ختم کیا جا سکتا ہے۔
- ہمیں اپنی غلطیوں کو یاد رکھنا چاہیے اور دُوسروں کی غلطیوں کو بھول جانا چاہیے۔

(حمزہ خان، پشاور)

WWW.PAKSOCIETY.COM

درج ذیل دیے گئے جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ قرآن مجید میں تحویلِ کعبہ کا ذکر کس سورۃ میں ہے؟

i۔ سورۃ البقرہ ii۔ سورۃ مزمل iii۔ سورۃ الکوثر

2۔ حضور ﷺ کا سلسلۂ نسب کس نبی سے جا کر ملتا ہے؟

i۔ حضرت نوحؑ ii۔ حضرت ابراہیمؑ iii۔ حضرت یوسفؑ

3۔ حضرت آدم علیہ السلام کا لقب کیا ہے؟

i۔ خلیل اللہ ii۔ صفی اللہ iii۔ ابوالبشر

4۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا اصل نام کیا ہے؟

i۔ عمیر ii۔ عامر iii۔ عزیز

5۔ کون سی نماز میں خطبہ نماز سے پہلے پڑھا جاتا ہے؟

i۔ نمازِ عیدالفطر ii۔ نمازِ عیدالاضحیٰ iii۔ نمازِ جمعۃ المبارک

6۔ ہومیوپیتھی طریقہ علاج کے بانی کا کیا نام ہے؟

i۔ سیمسن فرائیڈ ii۔ سموئیل ہنمین iii۔ آکسی ٹینو باسی

7۔ کس ملک نے 14 اکتوبر 1957ء کو پہلا مصنوعی سیارہ خلاء میں بھیجا تھا؟

i۔ چین ii۔ امریکہ iii۔ روس

8۔ گندھک کا تیزاب کس مسلمان سائنس دان نے ایجاد کیا تھا؟

i۔ ابن الہیثم ii۔ جابر بن حیان iii۔ ابنِ نفیس

9۔ پاکستان کے پہلے چیف اسکاؤٹ کون تھے؟

i۔ لیاقت علی خان ii۔ قائداعظم iii۔ سر آغا خان

10۔ ''پریشر ککر'' کس ادیب کی تصنیف ہے؟

i۔ کرنل محمد خان ii۔ مشفق خواجہ iii۔ صدیق سالک

جوابات علمی آزمائش جون 2012ء

1۔ سورۃ اخلاص 2۔ پیر 3۔ مُردوں کو زندہ کرنا 4۔ مسجدِ نبوی ﷺ 5۔ بندر 6۔ عربی 7۔ جان لوئی بیرڈ 8۔ کرکٹ 9۔ یکم اگست 1960ء 10۔ شاعری

اِس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے 3 ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیے جا رہے ہیں۔

☆ محمد بن طارق، رحیم یار خان (200 روپے کی کتب)

☆ عبداللہ سلیم، فیصل آباد (175 روپے کی کتب)

☆ علی عبدالباسط، اٹک (125 روپے کی کتب)

دماغ لڑاؤ سلسلے میں حصہ لینے والے کچھ بچوں کے نام بہ ذریعہ قرعہ اندازی:

☆☆ تحریم آرش، بہاول پور۔ سید خذیمہ جمال، کراچی۔ سید درِ حسین زیدی، شیخوپورہ۔ فہد علی، کراچی۔ احمد ابراہیم حسن، خانیوال۔ نعیم امین، لاہور۔ دانش احمد، محمد اسامہ، راول پنڈی۔ صبا فاطمہ، جھنگ۔ عائشہ مسعود، اسلام آباد۔ زوبیہ رضی، کراچی۔ خنساء اشرف، لاہور۔ عطیہ اشتیاق، واہ کینٹ۔ مومنہ حمید، گوجرانوالہ۔ محمد عتیق الرحمٰن اسلم، آزاد کشمیر۔ سعدیہ یاسمین، میاں والی۔ فاطمہ امجد، لاہور۔ اریبہ مبشر، گوجرانوالہ۔ محمد بلال رضا، حسن ابدال۔ نیلوفر جاوید، ڈیرہ غازی خان۔ اسد علی انصاری، ملتان۔ زین العابدین، لالہ موسیٰ۔ کائنات صدیق، لاہور۔ محمد زبیر ارشد، ملتان۔ محمد سلیم مغل، قصور۔ محمد وحید، راول پنڈی۔ حافظہ اقراء الیاس، لاہور۔ صبا یٰسین، لاہور۔ امجد جاوید، راول پنڈی۔ میمونہ بشیر، گوجرانوالہ۔ فتح محمد شارق، نوشہرہ۔ مریم نایاب، خوشاب۔ فرقان عابد، میاں والی۔ رائے محمد عتیق، شیخوپورہ۔ فائزہ فیاض، بہاول نگر۔ ردا رحمٰن، کہوٹہ۔ ارضلش نورین، گوجر خان۔ حمنہ عارف، لاہور۔ ربیعہ مجید، جھنگ صدر۔ محمد شعیب امین، اوکاڑہ۔ عنزہ کنول، کلورکوٹ۔ محمد یاسر کمال جنجوعہ، خوشاب۔ سید زبیر حسنی، لاہور۔ ماجدہ بتول، شیخوپورہ۔ محمد حسن رضا، جوہر آباد۔ حسن رضا سردار، محمد دانش رضا قادری، کامونکی۔ محمد ضیاء اللہ میاں والی۔ علی رضا چاند، بھابڑہ۔ خدیجہ ریاض، گوجرانوالہ۔ لینہ طارق، وزیر آباد۔ طٰہٰ یاسین، حیدرآباد۔ آفتاب ظفر، گوجرانوالہ۔ اریب رؤف بٹ، عادل حسین، لاہور۔ شازیہ ایوب، کوٹری۔ انعم شہزادی، رحیم یار خان۔ محمد رمضان شیخ، کشمور۔

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 جولائی 2012ء ہے۔

دماغ لڑاؤ

نام: _____

مقام: _____

پتا: _____

_____

_____

WWW.PAKSOCIETY.COM

مدیر تعلیم و تربیت! السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟

ماں تو ایسی ہوتی ہے، چچا تیز گام نے فون سنا اور خواب گاڑی بہت اچھی تحریریں تھیں۔ (ریحان احمد، کراچی)

سزا، فیصلہ، خواب گاڑی، ماں تو ایسی ہوتی ہے، چچا تیز گام نے فون سنا اور اندھیرے سے اُجالے تک کہانیاں رسالے کی جان تھیں۔ انوکھی دُنیا دل چسپ ناول ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ ہر ماہ نعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ضرور شائع کیا کریں۔

(حسن رضا سردار، کامونکی)

☆ ان شاء اللہ ہم ایسا کرنے کی کوشش کریں گے۔

میں آٹھویں جماعت کا طالب علم ہوں اور اپنی تعلیمی مصروفیات سے وقت نکال کر ''تعلیم و تربیت'' پڑھتا ہوں اور 50 روپے کا پٹرول خرچ کر کے شہر جا کر خط پوسٹ کرتا ہوں، مگر آپ میری کوئی تحریر شائع نہیں کرتے۔ کیا آپ کے ہاں صرف بڑے شہروں سے تعلق رکھنے والے بچوں کی تحریریں شائع ہوتی ہیں؟

(علی رضا چاند، بھابھڑہ)

☆ ہمارے لیے تمام شہروں کے بچے قابلِ احترام ہیں۔

کہانیوں میں ذاتی تجربہ، واپسی، فیصلہ اور اندھیرے سے اُجالے تک ٹاپ پر تھیں۔ (خدیجہ ریاض، گوجرانوالہ)

خواب گاڑی، ذاتی تجربہ، ماں تو ایسی ہوتی ہے، اندھیرے سے اُجالے تک، سزا اور انوکھی دُنیا دل چسپ کہانیاں تھیں۔

(عبدالحنان، لاہور)

جون کے شمارے کا سرورق بہت اچھا تھا۔ کہانیوں چچا تیز گام نے فون سنا، اور خواب گاڑی بہت اچھی لگیں۔ مستقل سلسلوں میں مجھے بچوں کا انسائیکلو پیڈیا، انوکھی دُنیا، کھوج لگایئے اور شکاریات بہت پسند ہیں۔ (سیدہ زہرہ جمال، کراچی)

انوکھی دُنیا اور اندھیرے سے اُجالے تک دل چسپ کہانیاں تھیں۔

(محمد دانش رضا قادری، کامونکی)

کھوج لگایئے اور اُوجھل خاکے بہت اچھے سلسلے ہیں۔ انہیں ختم نہ کیجئے گا۔ (مہوش کوثر، لاہور)

ماہ بہ ماہ اداریے میں نکھار آ رہا ہے۔ نہایت مختصر پیرائے میں بہت بڑا سبق دیا جاتا ہے۔ چچا تیز گام کے ہاتھ میں آم دیکھ کر منہ میں پانی بھر آیا۔ اندھیرے سے اُجالے تک میں ایمبولینس میں لکھے جملے سے راہِ راست پہ آنے کا واقعہ کافی سبق آموز تھا۔

(محمد زبیر ارشد، ملتان)

اداریہ بہت شان دار تھا۔ کامل مسلمان کی پہچان، قرآنِ مجید، سزا، ذاتی تجربہ، اُوجھل خاکے، ابا! پاکستان تو میرا ہے، فیصلہ، کرنیں، واپسی، بہت خوب، انعام اور خواب گاڑی عمدہ کہانیاں تھیں۔

(ردا رحمٰن، کہوٹہ)

خواب گاڑی، سنہرے لوگ، فیصلہ، ابا! پاکستان تو میرا ہے اور سزا اچھی کہانیاں تھیں اور اُوجھل خاکے میرا پسندیدہ سلسلہ ہے۔

(محمد احمر خان، جھنگ)

کہانیوں میں ماں تو ایسی ہوتی ہے، اندھیرے سے اُجالے تک، سزا، خواب گاڑی اور چچا تیز گام نے فون سنا بہت اچھی تھیں۔

(ثمرین عبدالصمد، مہرین عبدالصمد، کمن بھٹہ)

جون کا شمارہ اپنی مثال آپ تھا۔ خاص کر کہانیاں ماں تو ایسی ہوتی ہے اور چچا تیز گام نے فون سنا بہت پسند آئیں۔

(عبیدالرحمٰن اظہر، گجرات)

کہانیاں سزا، فیصلہ اور خواب گاڑی اچھی تھیں۔

(محمد انس حذیفہ، چکسواری)

سزا، ذاتی تجربہ، فیصلہ، خواب گاڑی، ماں تو ایسی ہوتی ہے، چچا تیز گام نے فون سنا، انوکھی دُنیا اور اندھیرے سے اُجالے تک عمدہ کہانیاں تھیں۔ (محمد محسن علی قادری، کامونکی)

خواب گاڑی بہت اچھی کہانی تھی۔ (محمد حذیفہ علی، ملتان)

جون کا شمارہ لاجواب تھا۔ ذاتی تجربہ، ابا! پاکستان تو میرا ہے، بہت خوب، خواب گاڑی اور ماں تو ایسی ہوتی ہے بہترین تحریریں تھیں۔

(کومل امجد، ملتان)

WWW.PAKSOCIETY.COM

جون کا شمارہ بہت زبردست تھا۔ خاص طور پر کہانیاں سزا، ذاتی تجربہ اور بہت خوب لاجواب تھیں۔ (صائم فرید، لاہور)

جون کا شمارہ بہت زبردست تھا۔ اس مرتبہ سرورق بہت اچھا تھا غباروں کو دیکھ کر غبارے لینے کے لیے ہمارا بھی دل للچانے لگا ہے۔ (حافظہ اقراء الیاس، حافظ محمد عبیر عابد، لاہور)

جون کا شمارہ ملا۔ تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ خاص طور پر ماں تو ایسی ہوتی ہے عمدہ کہانی تھی۔ آپ نے ایک نئے سلسلے ''قدر مکرر'' کا اعلان کیا تھا یہ سلسلہ کب شروع کیا جائے گا؟

(عریشہ سلیم، لاہور)

☆ یہ سلسلہ جلد شروع کیا جائے گا۔

کہانیوں میں اندھیرے سے اُجالے تک، ذاتی تجربہ، بہت خوب، اور سزا بہت پسند آئیں۔ (سعدیہ فضل کریم، راول پنڈی)

کہانی ماں تو ایسی ہوتی ہے پڑھ کر آنسو چھلک پڑے۔

(امجد اقبال کھچی، کمیر والا)

کہانیوں میں اندھیرے سے اُجالے تک چچا تیز گام نے فون سنا، ماں تو ایسی ہوتی ہے اور فیصلہ ٹاپ پر تھیں۔ (محمد جعفر، گروٹ)

جون کا شمارہ بہت پسند آیا۔ اندھیرے سے اُجالے تک، ماں تو ایسی ہوتی ہے اور چچا تیز گام نے فون سنا اچھی تحریریں تھیں۔

(عبدالطیف چاچڑ، کشمور)

جون کا رسالہ بہت اچھا تھا۔ تمام تحریریں پسند آئیں خاص طور پر سزا، فیصلہ، واپسی، ماں تو ایسی ہوتی ہے زیادہ اچھی لگیں۔ انکل! کیا میں سلسلہ ''آپ بھی لکھئے'' کے علاوہ بھی کوئی کہانی لکھ کر بھیج سکتی ہوں؟ (افراح خان، اٹک)

☆ ضرور بھیجئے۔

جون کے شمارے میں کہانیاں سزا اور ذاتی تجربہ بہت زبردست کہانیاں تھیں۔ کہانی چچا تیز گام نے فون سنا پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔

(معاذ احمد، لاہور)

اس بار سزا، واپسی اور چچا تیز گام نے فون سنا کہانیاں اچھی تھیں۔

(علی شہروز، فیصل آباد)

جون کا شمارہ بہت پسند آیا۔ تمام کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ بچوں کا انسائیکلو پیڈیا پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔

(سلمان ریاض، گوجرانوالہ)

خواب گاڑی اور واپسی کہانیاں پسند آئیں۔ اداریہ بہت اچھا تھا۔

(عبداللہ اکرم، فیصل آباد)

فیصلہ، واپسی اور خواب گاڑی بہت اچھی کہانیاں تھیں۔

(اسامہ راشد، ٹیکسلا)

''جون کا شمارہ سپرہٹ تھا۔ سلسلہ ''میری زندگی کے مقاصد'' کو جاری رہنے دیں۔ (فتح محمد شارق، خوشاب)

ذاتی تجربہ، فیصلہ، بہت خوب، ماں تو ایسی ہوتی ہے اور اندھیرے سے اُجالے تک اچھی کہانیاں تھیں۔ (حسام نجاد راجہ، راول پنڈی)

''تعلیم و تربیت'' میرا پسندیدہ رسالہ ہے، مجھے اسے پڑھتے ہوئے 11 سال ہو گئے ہیں۔ چچا تیز گام نے فون سنا اور ماں تو ایسی ہوتی ہے زبردست کہانیاں تھیں۔ (سعدیہ یاسمین، میاں والی)

فیصلہ، واپسی، ماں تو ایسی ہوتی ہے اور چچا تیز گام نے فون سنا کہانیاں بہت پسند آئیں۔ (محمد ضیاء اللہ، میاں والی)

''انوکھی دُنیا'' بہت اچھا ناول ہے۔ ''آیئے عہد کریں'' بہت اچھا سلسلہ ہے اسے جاری رکھیں۔ (سارہ طارق، فیصل آباد)

جون کے شمارے کی تمام کہانیاں پسند آئیں۔

(محمد ثوبان میر، گوجرانوالہ)

سزا، فیصلہ، واپسی اور چچا تیز گام نے فون سنا عمدہ تحریریں تھیں۔

(نور نبی، لاہور)

''تعلیم و تربیت'' کی اشاعت کے 71 سال مکمل ہونے پر میری طرف سے مبارک باد قبول کریں۔ (فرحان اشرف، بہاول نگر)

''تعلیم و تربیت'' ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔

(شاہ عالم، راول پنڈی)

جون کے شمارے کی سبھی کہانیاں بہترین تھیں۔

(منازل فرسان، راول پنڈی)

''انوکھی دُنیا'' عمدہ ناول ہے۔ (محمد عادل یعقوب، کلورکوٹ)

آیئے عہد کریں، مختصر مختصر، کھیل دس منٹ کا اور کھوج لگایئے بہترین سلسلے ہیں۔ (مریم نایاب، نوشہرہ)

میں ہر ماہ آپ کو مختلف تحریریں ارسال کرتا ہوں، مگر ابھی میری کوئی تحریر شائع نہیں ہوئی۔ میں ہمت ہارنے والا نہیں، میں کوشش جاری رکھوں گا۔ (محمد ذیشان شیرازی، ملتان)

☆ آپ کوشش جاری رکھیں، ایک دن آپ کی کوشش ضرور رنگ لائے گی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

(قسط نمبر 7)

انوکھی دُنیا

ظفر حسنین

''میں پین اور پنسل کی باتیں کیوں نہیں سن پا رہا۔'' یہ بڑبڑاتے ہوئے عمر کو ڈولی کی بتائی ہوئی بات یاد آ گئی کہ اگر تم جھوٹ بولو گے، چوری کرو گے، والدین یا اساتذہ کا کہنا نہیں مانو گے تو منتر بے اثر ہو جائے گا۔ وہ سوچنے لگا کر تفریح کے وقت اُس نے منتر پڑھ کر جواد کے جوتوں کی باتیں تو سنی تھیں مگر اتنی سی دیر میں بھلا کیا ہو گیا ہے۔ اس کا دھیان پڑھائی کی طرف نہ تھا۔ وہ تو گہری سوچ میں گم تھا۔ وہ کئی بار منہ میں منتر بڑبڑا کر جیومیٹری بکس پر پھونک مار چکا تھا۔ پین اور پنسل تو ہل رہی تھی، مگر وہ ان کی باتیں نہیں سن سکتا تھا۔ اسی سوچ میں گم اُردو کے استاد غلام نبی نے سبق پڑھنے کے لیے اُسے کہا تو اسے معلوم ہی نہ ہوا کہ اُسے کچھ کہہ رہا ہے۔ یوسف نے اس کے کندھے کو ہلاتے ہوئے کہا:

''عمر! اب جاگ جاؤ، سر تمہیں سبق پڑھنے کے لیے کہہ رہے ہیں۔''

''اوہ..... کیا ہے، میں کہاں ہوں؟'' عمر نے بوکھلا کر کہا۔

''تم اس وقت مریخ پر ہو، ہم سب خلائی مخلوق ہیں۔'' ذیشان کی اس بات پر طلبہ نے زور دار قہقہہ لگایا۔

''خاموش ہو جائیں، شور مت کریں۔'' سر غلام نبی کی آواز گونجی۔

کلاس میں جب خاموشی چھا گئی تو سر غلام نبی نے عمر کو مخاطب کیا۔

''عمر! کیا بات ہے، تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

''جی..... جی سر! میں ٹھیک ہوں، میں سبق چاند کی سیر پڑھتا ہوں۔'' عمر نے سبق کا ایک صفحہ ہی پڑھا تھا کہ پیریڈ ختم ہونے کی گھنٹی بجی۔ عمر کی نظر جیومیٹری پر تھی۔ اب جیومیٹری میں رکھی چیزیں ہل نہیں رہی تھیں۔ اس کے بعد ان کا لائبریری پیریڈ تھا۔ کچھ دیر بعد وہ قطار بنائے لائبریری کی طرف جا رہے تھے۔ سکول لائبریری میں اُردو اور انگلش کی ہزاروں کتابیں تھیں۔

''سب بچے اپنی اپنی پسند کی کتاب شیلف سے لے کر خاموشی سے بیٹھ کر پڑھیں، اگر آپ نے شور کیا تو میں سزا دوں گی۔'' لائبریرین نے طلبہ کو مخاطب کیا۔

عمر نے تصویری کہانیوں پر مبنی ایک کتاب شیلف سے لی اور بائیں طرف بیٹھ کر اُس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ اُس نے منہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں منتر بڑبڑا کر شیلف میں رکھی کتابوں پر پھونکا۔ کتابیں ہلکی ہلکی ہل رہی تھیں مگر ان کی باتوں کو عمر سن نہیں پا رہا تھا۔ اسی دوران اس کی نظر جواد اور اُس کے گندے جوتوں پر پڑی۔ جوتوں کو دیکھتے ہی اُسے یاد آ گیا کہ تفریح کے وقفہ کے دوران اُس نے بے اختیار جواد کو یہ بتایا تھا کہ اس کے جوتے کیا باتیں کر رہے ہیں، لیکن اگلے ہی لمحے اُس نے جھوٹ بولا تھا کہ وہ تو یوں ہی بات کر رہا تھا۔ اب وہ سمجھ پایا تھا کہ جھوٹ بولنے کے باعث اس کا منتر بے اثر ہو گیا ہے۔ وہ جواد کو منتر کے بارے میں بتانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ عجیب مشکل میں پھنس گیا تھا۔ جواد کے جوتے اور لائبریری کی کتابیں حرکت کر رہی تھیں۔ عمر ان کی باتیں سننے کے لیے بے چین تھا۔ اب اُس کے پاس ایک ہی راستہ تھا کہ جواد کو ساری بات سچ سچ بتا دے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر جواد کی طرف بڑھا ہی تھا کہ لائبریرین سے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

''عمر! اپنی جگہ سے مت اٹھو، واپس چلو اپنی سیٹ پر۔''

''وہ مس!''

''تم جواد سے باتیں کرو گے، چلو اپنی سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔'' لائبریرین نے عمر کی بات بھی پوری نہ ہونے دی۔ عمر خاموشی سے اپنی جگہ آ کر بیٹھ گیا۔ وہ لائبریری میں لگی گھڑی کو بار بار دیکھ رہا تھا۔ وہ جلد سے جلد جواد کو سچ سچ ساری بات بتانا چاہتا تھا۔ جب لائبریری پیریڈ ختم ہونے کی گھنٹی بجی تو عمر فوراً جواد کی طرف بڑھا۔

''جواد! میں تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔''

بولو، کیا بتانا چاہتے ہو؟'' جواد نے عمر کو گھورا۔

''میں نے بریک میں تمہارے جوتوں کو آپس میں باتیں کرتے سنا تھا۔''

''کیا! تم کیا کہہ رہے ہو؟'' جواد کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''میں جو کہہ رہا ہوں وہ بالکل سچ ہے، میں نے تم سے جھوٹ بولا تھا اور اس جھوٹ کے باعث میں منتر پڑھتا ہوں تو کسی چیز کی باتیں نہیں سن پاتا۔'' عمر بولتا جا رہا تھا اور جواد حیرت میں گم ہوتا جا رہا تھا۔ لائبریری پیریڈ کے بعد سائنس کا پیریڈ تھا۔ سائنس کے سر کفایت اللہ بہت سخت تھے۔ ان کے پیریڈ میں بات کرنا بہت مشکل کام تھا۔ پیریڈ کے دوران عمر نے کئی بار جواد کی طرف دیکھا مگر وہ کوشش کے باوجود آپس میں کوئی بات نہ کر سکے۔ جواد، عمر سے بھی زیادہ بے چین تھا۔ اُس نے ایک کاغذ پر لکھا: ''عمر! تم نے جو کچھ بتایا ہے کیا وہ سچ ہے؟'' عمر نے فوراً اس کاغذ پر لکھا: ''ہاں میں نے تمہیں جو کچھ بتایا ہے وہ بالکل سچ ہے۔'' دونوں کافی دیر تک کاغذ پر لکھے جملوں کے ذریعے ایک دُوسرے سے باتیں کرتے رہے۔ وہ یہ کام اتنی ہوشیاری سے کر رہے تھے کہ بورڈ پر سوالوں کے جوابات لکھتے ہوئے سر کفایت اللہ کو ان کی اس حرکت کا علم نہ ہوا تھا۔ یہ آخری پیریڈ تھا۔ جواد وین کے ذریعے گھر جاتا تھا۔ وین والے نے دُوسرے سکولوں سے بھی بچوں کو لینا ہوتا تھا اس لیے جواد کا سکول میں چھٹی کے بعد ٹھہرنا ممکن نہ تھا۔ چھٹی کے بعد سیڑھیاں اترتے ہوئے عمر نے کہا۔

''شام کو میرے گھر آ جاؤ وہاں میں ساری بات بتاؤں گا۔''

''شام کے وقت تو مجھے ٹیوشن پڑھنے کے لیے جانا ہوتا ہے اگر میں ٹیوشن سے واپسی پر مغرب کے وقت تمہارے گھر آ جاؤں تو کیسا رہے گا۔'' جواد نے کہا۔

''ٹھیک ہے میں مغرب کے وقت تمہارا انتظار کروں گا اور واپسی پر اپنی سائیکل پر تمہیں گھر چھوڑ آؤں گا۔'' عمر نے کہا۔

☆.....☆.....☆

''تم نے جواد کو منتر کے بارے میں کیوں بتایا ہے۔'' عائشہ، عمر سے ناراض تھی۔

''میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا، تمہیں تو علم ہے کہ جھوٹ بولنے کے باعث منتر بے اثر ہو جاتا ہے۔''

''ہاں، ایسا تو ہے۔''

''میں نے ایسے ہی جواد سے کہہ دیا تھا کہ میں نے اس کے جوتوں کی باتیں سن لی ہیں، اب اس بات کو چھپانے کے لیے میں نے جھوٹ بولا تو منتر بے اثر ہو گیا، میں نے سچ بولا ہے تو منتر نے

WWW.PAKSOCIETY.COM

اپنا اثر دکھانا شروع کیا ہے۔'' عمر کی بات سن کر عائشہ خاموشی ہو گئی تھی۔

مغرب کے وقت جواد، عمر کے کمرے میں موجود تھا۔ عمر نے ٹھنڈے مشروب سے اس کی تواضع کی تھی۔

''میں نے سکول میں تم سے جو کچھ کہا تھا وہ بالکل سچ ہے، لو اُس کا ثبوت بھی پیش کرتا ہوں۔''

یہ کہہ کر عمر نے منہ میں منتر بڑبڑایا اور دیوار پر لگی گھڑی پر پھونک دیا۔ گھڑی کی سوئیاں آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ گھڑی کی سوئیوں کی باتیں عمر، جواد اور عائشہ سن رہے تھے۔

''جو انسان میری قدر کرتے ہیں وہ کام یاب ہوتے ہیں۔'' سیکنڈ کی سوئی نے اپنی مقررہ رفتار سے حرکت کرتے ہوئے منٹ اور گھنٹے کی سوئیوں کو مخاطب کیا۔

''تم نے ٹھیک کہا ہے، وقت کو ضائع کرنے والے کبھی کام یاب نہیں ہوتے، وقت کبھی کسی کا انتظار نہیں کرتا، ایک دفعہ وقت گزر جائے تو پھر ہاتھ نہیں آتا۔'' منٹ کی سوئی نے اتنا کہا تو گھنٹے کی سوئی بولی۔

''اس وقت نماز کا وقت ہے اور یہ بچے اس وقت کو ضائع کر رہے ہیں، مجھے ایسے بچے پسند نہیں ہیں۔''

گھنٹے کی سوئی کی یہ بات سن کر عمر اور جواد تو نماز پڑھنے کے لیے مسجد چلے گئے جب کہ عائشہ نے امی جان کے ساتھ گھر ہی میں نماز ادا کی۔ مسجد سے نکلتے ہوئے عمر نے جواد سے کہا۔

''میں نے تمہیں جو کچھ بتایا ہے وہ کسی اور کو مت بتانا۔''

''میں ایسا ہی کروں گا مگر اس کے لیے تمہیں ایک کام کرنا پڑے گا۔'' جواد نے عمر کو گھورتے ہوئے کہا۔

''ہاں، بولو وہ کام کیا ہے؟''

''مجھے وہ منتر بتاؤ جس کے پھونکنے سے تم اپنے آس پاس کی چیزوں کی باتیں سنتے ہو۔''

''منتر۔'' عمر نے دہرایا۔

''ہاں منتر مجھے بتاؤ، میں وہ منتر کسی کو نہیں بتاؤں گا۔'' جواد نے عمر کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

''میں اس بارے میں کچھ سوچتا ہوں۔''

''مجھ پر بھروسہ کرو میں یہ منتر کسی کو نہیں بتاؤں گا۔''

وہ انہی باتوں میں مصروف گھر کی طرف آ رہے تھے کہ گول باغ کے قریب ایک کار اچانک ان کی طرف بڑھی۔ دونوں کار کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر بوکھلا گئے۔

(کار والے کون تھے؟ یہ جاننے کے لیے اگلی قسط پڑھیے۔)

WWW.PAKSOCIETY.COM

یہی ہے پھولوں والا راستہ

شہر بھر میں قبرستان کے قریب واقع راحت بازار کو اس کے اصل نام کے بجائے پھولوں والا بازار کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس بازار میں تقریباً پچاس کے قریب پھولوں کی چھوٹی بڑی دُکانیں تھیں۔ بازار میں داخل ہوتے ہی طرح طرح کے پھولوں کی بھینی بھینی خوشبوئیں نتھنوں سے ہوتی ہوئیں دماغ میں بسیرا کرتی تھیں۔ شہر والوں کو خوشی اور غم کے موقع پر اس بازار میں آنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ پھولوں کا انسانوں کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے، پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک کسی نہ کسی صورت میں پھول انسانی زندگی کا حصہ بنے رہتے ہیں۔ اسی بازار میں ''قیوم پھول مرکز'' کے نام سے ایک دُکان تھی۔ اس دُکان کا شمار بازار کی پرانی دُکانوں میں ہوتا تھا۔ جب شہر کی آبادی کم تھی اور یہی شہر کا واحد قبرستان تھا، تب قیوم نے ایک چھابڑی سے اس دُکان کا آغاز کیا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے شہر پھیلتا گیا۔ سرسبز کھیت عمارتوں میں تبدیل ہو گئے۔ آبادی کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے اس بازار کو شہر کا وسطی بازار بنا دیا تھا۔ آہستہ آہستہ یہاں پھولوں کی دُکانوں میں اضافہ ہونے لگا۔ یہ اضافہ اتنی تیزی سے ہوا کہ راحت بازار پھولوں والا بازار بن گیا۔ یوں تو پھولوں والے بازار میں ہر وقت گہما گہمی رہتی، مگر شام کے وقت زیادہ بھیڑ ہوتی تھی۔ قیوم اپنی دُکان پر بیٹھا سوچوں میں گم تھا کہ ایک گاہک نے اُسے مخاطب کیا:

''بھائی جی! گلاب کے پھولوں کا ہار کتنے کا ہے؟''

قیوم کی طرف سے جواب نہ پا کر گاہک نے دوبارہ قدرے بلند آواز سے ہار کی قیمت معلوم کی تو قیوم ایک دم بوکھلا کر بولا۔

''کس ہار کی قیمت پوچھ رہے ہیں؟''

''اس گلاب کے ہار کی۔''

''پندرہ روپے کا ایک ہار ہے۔''

''اگر زیادہ لوں تو پھر کیا قیمت ہوگی؟''

''ایک روپیہ فی ہار کم دے دیں۔''

''دس روپے ہار دوں گا، پچاس ہار دے دیں۔''

دونوں میں بارہ روپے فی ہار پر سودا طے پا گیا۔ قیوم نے گلاب کے پھولوں کے ہار بڑی نفاست سے ایک ٹوکری میں ڈال کر گاہک سے پیسے وصول کرتے ہوئے سوال کیا۔

''اتنے گلاب کے ہاروں کا کیا کریں گے؟''

''آج میرے بیٹے کی رسم بسم اللہ ہے، میرا پیارا بیٹا حمزہ آج

WWW.PAKSOCIETY.COM

اماں بی سے بسم اللہ پڑھے گا۔"

"آپ کے کتنے بیٹے ہیں؟" قیوم نے پوچھا۔

"ایک ہی ہے، بڑی دُعاؤں کے بعد اللہ نے عطا کیا ہے۔" گاہک تو یہ کہہ کر وہاں سے رخصت ہو گیا مگر پھر قیوم کو سوچوں کے حوالے کر گیا۔ دس سال پہلے اس کے ہاں بھی اس کے اکلوتے بیٹے فیض کی رسم بسم اللہ تھی۔ قیوم نے سارے گھر کو پھولوں کی دُکان بنا دیا تھا۔ اس دن ننھا سا فیض بہت خوب صورت دکھائی دے رہا تھا۔ فیض کی دادی نے نمازِ مغرب ادا کرنے کے بعد فیض کو گود میں لے کر پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

"بیٹے! جو میں پڑھوں تم بھی وہی پڑھو۔"

"فیض بیٹا! وہی پڑھنا جو تمہاری دادی پڑھیں۔" قیوم نے اُسے سمجھایا۔

"بیٹا پڑھو، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔" فیض جب خاموش رہا تو اس کی امی جان نے اس کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! پڑھو، خاموش کیوں ہو، جو دادی جان پڑھ رہی ہیں تم بھی پڑھو۔"

"میں دوبارہ پڑھتی ہوں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔" اس بار فیض نے بہت دھیمی آواز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا تو گھر میں آئے مہمانوں نے مبارک سلامت کی صدائیں بلند کیں۔ سبھی گھر والوں نے فیض کو گود میں اٹھا اٹھا کر پیار کیا۔ اُس دن سے فیض کی باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہوا تھا۔ قیوم کے ہاں شادی کے دس سال بعد فیض کی صورت میں اللہ نے اپنا فضل کیا تھا۔ قیوم کے دو بھائی بھی اس کے ساتھ رہتے تھے۔ ان کو اللہ نے اولاد جیسی نعمت سے بہت پہلے نواز دیا تھا۔ بچے قیوم کو تایا ابو تایا ابو کہتے نہ تھکتے تھے۔ فیض کی پیدائش سے قیوم کو اپنے بھتیجوں کے ساتھ محبت ختم تو نہیں ہوئی تھی مگر اس میں کمی ضرور ہو گئی تھی۔ قیوم کو اپنے پیار کے اظہار کا ذریعہ فیض کی صورت میں جو مل گیا تھا۔ پہلے تو بازار سے آنے والی ہر چیز اس کے بھتیجوں کے لیے ہوتی تھی مگر اب ان کا حصہ دار فیض بھی اس میں شامل ہو گیا تھا۔ رسم بسم اللہ کے موقع پر قیوم، فیض کے لیے بہت سے کھلونے لایا تھا۔ اس کے بھتیجے آصف، کاشف، راجہ اور عمران ان کھلونوں کو لینے کے لیے رونے لگے۔ جب وہ کھلونوں کو ہاتھ لگاتے تو فیض چیخنا شروع کر دیتا۔ ان کی ماؤں نے انہیں بہت سمجھایا مگر بچے کب کسی کی سنتے ہیں۔ بچوں کی تو فطرت ہے کہ ہر چیز حاصل کرنے کے لیے ضد کرتے ہیں۔ جب ضد بڑھ جائے تو اس کا نتیجہ مار پیٹ کی صورت میں نکلتا ہے۔ بچوں کے رونے سے رسم بسم اللہ کی تقریب ذرا بدمزہ سی ہو گئی تھی۔

"بہو! بچوں کو کھلونے دے دو۔"

"اماں بی! میں کب انکار کر رہی ہوں، آپ کا لاڈلا فیض مجھے کب ایسا کرنے دے گا۔"

"فیض بیٹے یہ سارے کھلونے تمہارے بھائیوں کے بھی ہیں، یہ گاڑی آصف کو دے دو۔"

"میں نہیں..... میں نہیں..... یہ شارے کھونے (سارے کھلونے) میرے ہیں۔ یہ گاری (گاڑی) بھی میری ہے۔"

"یہ سارے کھلونے آپ کے ہیں تو بھائی بھی آپ کے ہیں۔ ان سب کے ساتھ مل کر کھیلو۔"

"میں نہیں تھیلوں (کھیلوں) گا ان کے شاتھ (ساتھ)۔" یہ کہہ کر فیض اکیلا ہی اپنے کھلونوں کے ساتھ کھیلنے لگا۔ فیض کو بے جا لاڈ پیار نے بگاڑ دیا تھا اور وہ بات بے بات ضد کرنے لگا تھا۔ اِدھر اس کی کسی فرمائش سے انکار ہوا اُدھر وہ چیخنے چلّانے لگا۔ دادی جان سے ڈانٹ پڑتی تو امی جان آڑے آ جاتیں، ابا جان اول تو اسے کچھ کہتے ہی نہ تھے کبھی کبھار اگر وہ فیض کی کسی ضد کے آگے ہتھیار نہ ڈالتے تو دادی جان کہتی تھیں۔

"اکلوتی اولاد کے ساتھ بھی ایسا سلوک کرو گے، بچہ ہے بڑا ہو گا تو ضد نہیں کرے گا۔"

اس ہنستے بستے گھر میں بھائیوں کے درمیان پہلی بار لڑائی بھی فیض کی وجہ سے ہوئی تھی۔ بات کچھ یوں تھی کہ کاشف اور آصف کی امی جان بازار گئی ہوئی تھیں۔ دونوں بھائی برآمدے میں کھیل رہے تھے۔ فیض نے جب ان کے ساتھ کھیلنا چاہا تو دونوں نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ وہ اس کے ساتھ نہیں کھیلیں گے۔ فیض کے مزاج کے خلاف کوئی بات ہو جائے اور وہ کسی ردعمل کا اظہار نہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

کرے ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ فیض نے کاشف سے اس کا پیانو لے کر دیوار سے دے مارا۔ دیوار سے ٹکراتے ہی چھن کی آواز کے ساتھ پیانو دو ٹکڑے ہو گیا۔ اپنے پیانو کا حشر دیکھ کر دونوں بھائی زار و قطار رونے لگے۔ ان کے رونے کی آواز سن کر فیض کی امی نے پوچھا۔

''کیوں گلا پھاڑ رہے ہو؟''

''تائی جان فیض نے ہمارا پیانو توڑ دیا ہے۔''

''امی جان میں نے پیانو نہیں توڑا۔''

''فیض جھوٹ مت بولو۔ دیوار سے مار کر پیانو تم نے توڑا ہے۔'' کاشف روتے ہوئے بولا۔

''پیانو ٹوٹ گیا ہے تو اتنا شور کیوں مچا رہے ہو، یہ تم سے بھی تو ٹوٹ سکتا تھا۔''

اس موقع پر کاشف اور آصف کی امی نہ آتیں تو شاید بات زیادہ نہ بڑھتی۔ اپنے بچوں کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اور ساری صورت حال معلوم کر کے وہ غصہ میں آ گئیں۔

''بھابی برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے میں تھوڑی دیر کے لیے بازار کیا گئی فیض نے تو یہاں تماشا ہی لگا لیا ہے۔''

''تماشا فیض نے نہیں ان دونوں نے لگایا ہے۔ شور یہ مچا رہے ہیں اور نام بے چارے میرے بیٹے کا بدنام ہو رہا ہے۔''

''اس بے چارے نے تو ان کا پیانو توڑا ہے۔ اتنا ہی شوق ہے تو لے دو اس کو بھی پیانو۔''

''ایک چھوڑ، ہزاروں ایسے پیانو میرے لعل پر قربان۔''

''اس لعل کو اپنے حصے میں سنبھال رکھو۔''

''ہاں..... ہاں نہیں آئے گا فیض اب اس طرف، چلو بیٹا چلو.....'' امی اس کا بازو پکڑ کر اسے کمرے میں لے گئی۔

پیانو کا ٹوٹنا اس گھر کے ٹوٹنے کا باعث بن گیا۔ گھر کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کے منصوبے پر عمل کا مرحلہ شروع ہوا تو دادی جان کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ وہ کس بیٹے کے ساتھ رہے۔ ماں کے لیے تو سبھی بیٹے برابر ہوتے ہیں۔ سب کی کوشش یہ تھی کہ اماں بی اس کے ساتھ رہے ایسا ان سے پیار کی وجہ سے نہیں ہو رہا تھا ان کی وجہ دس مرلے کا گھر تھا جو ان کے نام تھا۔ اماں بی نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ ایک ایک ماہ ہر بیٹے کے گھر رہا کرے گی۔ اماں بی نے اپنے طور پر گھر کو تقسیم ہونے سے بچانے کی کوشش کی تھی مگر جب دلوں میں میل آ جائے تو پھر اکٹھے رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ فیض کے پیدا ہونے کے بعد قیوم کی سوچ میں بہت تبدیلی آئی تھی۔ اس نے پہلے سوچا تھا کہ پھولوں والی دُکان اور یہ گھر اپنے بھائیوں کے نام کر دے گا، مگر اب وہ یہ سوچنے لگا کہ یہ سارا گھر وہ کس طرح حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے ایک دوست نے اس کو ایک راستہ دکھایا تھا کہ وہ کس طرح اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنا سکتا ہے۔ دوست کے کہنے پر اس نے کچھ ہی دنوں میں مکان کے کاغذات بنوا لیے اور ایک اسٹام پیپر بھی لکھوا لیا۔ اب اس کو موقع کی تلاش تھی۔ جائیداد کے حصول نے اس کو اس قدر اندھا کیا ہوا تھا کہ وہ اس کے لیے ہر غلط کام کرنے کے لیے تیار تھا۔ ایک دن جب اس نے کاغذات پر اماں بی سے انگوٹھا لگانے کے لیے کہا تو اماں بی نے پوچھا۔

''یہ کاغذات کیسے ہیں؟''

''اماں بی! آپ کے لیے حج کی درخواست دے رہا ہوں۔''

قرآن مجید پڑھنے کے علاوہ اماں بی کچھ پڑھنے کے قابل نہ تھیں۔ قیوم پر اعتماد کرتے ہوئے انہوں نے اسٹام پیپر پر انگوٹھا لگا دیا۔ قیوم کے بھائی اس وقت اماں بی کے سامنے سراپا احتجاج بنے جب انہیں اسٹام پیپر کی اصلیت معلوم ہوئی۔ قیوم پورے گھر کا مالک بن بیٹھا تھا۔ اماں بی تو حقیقت جان کر سکتے میں آ گئیں۔ قیوم پر کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اپنی کامیابی پر خوش تھا۔ اماں بی کا اب قیوم کے ہاں رہنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ یعقوب اور ایوب نے اماں بی کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ان دونوں کی محبت اور توجہ اماں بی کی کچھ حالت بہتر ہوئی۔ اب گھر کی بات عدالت تک جا پہنچی تھی۔ قیوم نے مکان کے مالک ہونے کا دعویٰ دائر کر دیا تھا۔ عدالتی نظام کی سست روی سے یہ دعویٰ بہت طول کھینچ گیا۔ پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ گیا۔ موسموں نے اپنے کئی روپ بدلے۔ وقت لمحہ لمحہ گزرتے ہوئے دس سال اگلے بڑھ گیا۔ فیض

WWW.PAKSOCIETY.COM

سکول کی تعلیم مکمل کر کے کالج میں جا پہنچا۔ وہ اب کبھی کبھار پھولوں والے بازار میں جانے لگا تھا۔ اس کو بازار میں پھولوں کی بھینی بھینی خوش بو بہت اچھی لگتی تھی۔ اب اس کو اتنی سمجھ بوجھ آ گئی تھی کہ وہ اپنے اِردگرد ہونے والی باتوں کو اچھی طرح سمجھ لیتا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ گھر کی تقسیم اور عدالتی کارروائی کا سارا معاملہ اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ اپنے چچا زاد بھائیوں سے اس کا آمنا سامنا گلی، گراؤنڈ، کالج یا بازار میں ہو جاتا تھا۔ سب اس کو دیکھتے مگر بات نہ کرتے تھے۔ کتنی عیدیں آئیں مگر سب ایک دُوسرے سے جدا رہے۔ قیوم نے پھولوں جیسا گھر نفرت کے کانٹوں سے بھر دیا تھا۔ فیض سے اب کوئی بات چھپی ہوئی نہ تھی۔

ایک دن فیض سوالیہ نشان بنا اپنے ابو کے سامنے کھڑا تھا۔

''ابا جان! آپ نے یہ سب کچھ کیوں کیا ہے؟''

''صرف تمہارے لیے۔'' قیوم نے فوراً جواب دیا۔

''صرف میرے لیے۔''

''ہاں صرف تمہارے لیے، یہ سب کچھ تمہارے لیے کیا ہے۔ یہ گھر، یہ کاروبار تمہارے لیے ہی تو ہے، میرا اور ہے ہی کون۔'' قیوم کا خیال تھا کہ فیض یہ سن کر خوش ہو جائے گا مگر ایسا نہ ہوا۔ اس کو تو چپ لگ گئی تھی۔ پھولوں کی طرح کھلتا ہوا چہرہ مرجھا سا گیا تھا۔ اسی دوران ایک دن پھولوں والے بازار میں بیٹھے ہوئے قیوم پر فالج کا حملہ ہوا۔ فالج سے اس کے جسم کا دایاں حصہ مفلوج ہو کر رہ گیا۔ فیض نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے ساتھ ساتھ پھولوں والی دُکان میں بھی بیٹھے گا۔ پھولوں کے درمیان رہتے ہوئے اسے پھولوں کی قدر و منزلت کا اندازہ ہوا تھا۔ اس کے پاس اب اتنا اختیار تھا کہ وہ کوئی اہم فیصلہ کر سکتا تھا۔ اللہ کی طرف سے عطا کردہ اس اختیار کو استعمال کرتے ہوئے ایک رات وہ ایک اسٹام پیپر لیے فالج زدہ قیوم کے پاس موجود تھا۔ قیوم نے اشاروں سے اسٹام پیپر کے بارے میں پوچھا تو فیض نے جواب دیا۔

''یہ حج پر جانے کی درخواست نہیں ہے، یہ کانٹوں بھرے راستے کو پھولوں سے بدلنے کا ذریعہ ہے۔ آپ نے یہ کانٹے میری وجہ سے پھیلائے تھے، آج میں خود ان کانٹوں کو چنوں گا۔ آپ میرے لیے اپنی آخرت خراب نہ کریں۔''

وہ سانس لینے کے لیے رکا تو اس نے ابا جان کی آنکھوں سے نکلتے ہوئے بے بسی کے آنسو دیکھے۔ اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''آپ نے یہ سب کچھ میرے لیے کیا تھا مگر مجھے کچھ نہیں چاہیے، ابو میں خود محنت کروں گا اور اپنے اور آپ کے لیے سب کچھ بناؤں گا۔ آپ اسٹام پیپر پر انگوٹھا لگا دیں۔ آپ کے ایسا کرنے سے دونوں چچا اپنا حصہ بھی پا لیں گے اور کانٹوں بھرا راستہ بھی پھولوں سے بھر جائے گا۔''

قیوم نے کانپتے ہاتھ کے ساتھ بڑی مشکل سے انگوٹھا لگایا تو فیض اسٹام پیپر کو چومتے ہوئے باہر نکل گیا۔ قیوم کمرے میں بھینی بھینی پھولوں کی خوش بو محسوس کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ساری عمر پھولوں میں رہنے کے باوجود اس نے کانٹوں بھرے راستے کا انتخاب کیوں کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ہونہار مصور

موسمِ برسات

اسد ملک، رحیم یار خان (دُوسرا انعام 150 روپے کی کتب)

اسد علی انصاری، ملتان (پہلا انعام 175 روپے کی کتب)

مدیحہ زینب، پنڈ دادن خان (چوتھا انعام 100 روپے کی کتب)

محمد سعد افراہیم، کراچی (تیسرا انعام 125 روپے کی کتب)

فریال عاشق، کراچی (چھٹا انعام 75 روپے کی کتب)

زوہیب شہزاد، صادق آباد (پانچواں انعام 90 روپے کی کتب)

کچھ اچھے مصوروں کے نام بہ ذریعہ قرعہ اندازی: جہانگیر احمد، زوہا فاطمہ، عائشہ بشیر، عطیہ نوید، حنا فاطمہ، طوبیٰ خان، ثناء رحمان، یاسر نواز، ماہم وکیل، ارم طاہر، صباحت خان، صادق آباد۔ ربیعہ خان، لاہور۔ عبداللہ ارشد، گوجرانوالہ۔ زبیر جمشید، خانیوال۔ رمشاء عمران، پشاور۔ طیبہ راٹھور، جھنگ۔ مریم اعجاز، جازبہ مسعود، صالحہ رباب، اٹک۔ صدیقہ ناز، نوشہرہ۔ مصباح ہدیٰ، بھکر۔ عمیر احسن ندیم، راول پنڈی۔ علیہ اکبر، اٹک۔ ثناء جمال، اسلام آباد۔ جویریہ ارشد، راول پنڈی۔ عکاشہ جلال پور جٹاں۔ اقصیٰ نورین، گجرات۔ حافظ محمد عمیر، لاہور۔ رحما سرفراز احمد، قلعہ دیدار سنگھ۔ ردا ظفر، لاہور۔ مہروش زہرا، واہ کینٹ۔ محمد حسنین معاویہ، ڈیرہ اسماعیل خان۔ شہرام جمشید، خانیوال۔ مقدس اسلم، سرگودھا۔ سید دانیال قمر شاہ، بہاول پور۔ صباحت تنویر، پشاور۔ عزیز احمد مرزا، واہ کینٹ۔ مومنہ سیرت، عارف والا۔ وردا انور، میاں والی۔ فرحان صدیق، لاہور۔ روشان عدیل، لاہور۔

ہدایات: تصویر 6 انچ چوڑی، 9 انچ لمبی اور رنگین ہو۔ تصویر کی پشت پر مصور اپنا نام، عمر، کلاس اور پورا پتا لکھے اور سکول کے پرنسپل یا ہیڈ مسٹریس سے تصدیق کروائے کہ تصویر اسی نے بنائی ہے۔

اگست کا موضوع: جشنِ آزادی

ستمبر کا موضوع: پاکستانی جنگی جہاز

آخری تاریخ 8 جولائی — آخری تاریخ 8 اگست

WWW.PAKSOCIETY.COM

بلاعنوان

اس تصویر کا اچھا سا عنوان تجویز کیجئے اور 500 روپے کی کتب لیجئے۔ عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 10 جولائی 2012ء ہے۔

جون 2012ء کے ''بلاعنوان کارٹون'' کے لیے جو عنوانات موصول ہوئے، اُن میں سے مجلسِ ادارت کو جو عنوانات پسند آئے، اُن عنوانات میں سے یہ ساتھی بہ ذریعہ قرعہ اندازی 500 روپے کی انعامی کتب کے حق دار قرار پائے۔

- اِسے کہتے ہیں رسی توڑ مقابلہ۔ (نعمان ممریز، راول پنڈی)
- دونوں ٹیموں نے زور لگایا، کسی کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ (اویس شوکت، فیصل آباد)
- پہلے زور لگاؤ پھر گرتے جاؤ۔ (آمنہ بتول، شیخوپورہ)
- ٹوٹی کہاں کمند۔ (مائرہ ندیم، لاہور)
- نہ جیت نہ ہار، رسی ہوگئی بے کار۔ (طہیرہ راٹھور، جھنگ)

WWW.PAKSOCIETY.COM